وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ



تاریخ الامّت

حصّہ اوّل

سیرۃ الرسولؐ

مصنّفہ

مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری

استاد تاریخ اسلام - جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

سنہ ۱۹۴۴ء

مکتبہ جامعہ ملّیہ اسلامیہ دہلی

بار ہشتم ایک ہزار

فہرست مضامین تاریخ الامت حصہ اول

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

دیباچہ

اَلحَمدُ لِلّٰہِ الَّذِی عَلَّمَ بِالقَلَمِ عَلَّمَ الاِنسَانَ مَا لَم یَعلَم وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلیٰ رَسُولِہٖ مُحَمَّدِ نِ المَبعُوثِ اِلیٰ کَافَّۃِ النَّاسِ مِنَ العَرَبِ وَالعَجَمِ وَعَلیٰ اُمَّتِہٖ الَّتِی ھِیَ خَیرُ الاُمَمِ ط

امابعد۔ مسلمانوں کو اگرچہ فن تاریخ سے دنیا کی دوسری قوموں کی بہ نسبت ہمیشہ سے زیادہ شغف رہا ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ اردو زبان میں اب تک اسلام کی کوئی تاریخ اس فن کے اصول کے مطابق نہیں مرتب ہوئی۔ بعض بعض کتابیں جو لکھی گئی ہیں ان میں سطحی اور بیشتر غیرضروری معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ جو طلبائے تاریخ کے لئے زیادہ مفید نہیں۔

اس کمی اور اسی ضرورت کو محسوس کرکے میں نے "تاریخ الامت" لکھنی شروع کی جس کا یہ پہلا حصہ اب شائع کیا جاتا ہے۔ امید ہے کہ مسلمان طلبا ء میں اس کے پڑھنے سے صحیح تاریخی ذوق بڑھے گا۔ عام اہل اسلام کے لئے بھی اس کا مطالعہ فائدے سے خالی نہ رہے گا۔ وَمَا تَوفِیقِی اِلَّا بِاللّٰہِ

جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی

محمد اسلم جیراجپوری

تمہید

(۱) اسلام اور خاص کر اوائل اسلام کے حالات میں ہمارے قدماء کی اس قدر مفصل اور مبسوط تصنیفیں موجود ہیں کہ ان سے اس زمانے کی تاریخ کا مرتب کر لینا آسان کام ہے لیکن جو دشواری ہے وہ یہ ہے کہ انھوں نے صرف واقعات کو سلسلہ وار جمع کر دیا ہے نہ اس کے اسباب سے تعرض کیا ہے نہ ان کی نسبت رائیں لکھی ہیں اور اس زمانے میں یہی چیزیں تاریخ کی روح سمجھی جاتی ہیں۔

میں نے جس وقت اس کتاب کو لکھنے کا ارادہ کیا تو دیکھا کہ قدیمی تاریخوں سے کاربر اری مشکل ہے اس لئے جدید تصنیفات پر نظر دوڑائی ان میں علامہ شیخ محمد الخضری استاد تاریخ اسلام جامعہ مصریہ کی تاریخ الامم الاسلامیہ مجھے ملی جس سے وہ مشکل آسان ہوگئی۔ کیونکہ شیخ موصوف نے اس کتاب کو تحقیق کے ساتھ لکھا ہے اور موجودہ اصول تاریخ نویسی کے مطابق مرتب کیا ہے۔ یہ دراصل ان کے اُن دروس کا مجموعہ ہے جو انھوں نے طلبائے جامعہ مصریہ کو پڑھائے۔ میں نے بیشتر اسی کتاب کو اپنا ماخذ قرار دیا لیکن دوسری اسلامی تاریخیں بھی سامنے رکھیں

(۲) پڑھنے والوں کو تشویش سے بچانے کی خاطر مختلف اقوال لکھنے سے احتراز کیا۔ اور بحث اور مناظرے کا دروازہ نہیں کھولا بلکہ جو حقیقی بات تھی وہی ثبت کر دی اور اختصار کی غرض سے واقعات صرف وہی منتخب کئے ہیں جن سے تاریخی سلسلے کا ربط قائم رہتا ہے۔ زبان میں بھی سلاست کا لحاظ رکھا تاکہ ہر طبقے کے لوگ آسانی سے سمجھ سکیں۔

(۳) ہندوستان کے بہت سے مسلمان بھی دوسری قوموں کی طرح اپنے پیشوایان مذہب کے ساتھ عقیدت مندی میں غلو کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اُن سے کسی قسم کی غلطی کا ہونا محال تھا یہی وجہ ہے کہ اکثر ائمہ اور بزرگان دین کی سوانح عمریاں جو اس قسم کے معتقدوں نے لکھی ہیں تاریخی معیار سے دور جا پڑی ہیں۔ اگر اس قسم کے لوگ اپنے مذاق کی باتیں اس کتاب میں نہ پائیں تو

ہم کو ملامت نہ کریں کیونکہ ہمارے بیان کی بنیاد علم پر ہے نہ کہ محض عقیدت پر۔ ہم نے فرشتوں کی یہ تاریخ نہیں لکھی ہے بلکہ انسانوں کی لکھی ہے اور کسی انسان کی بزرگی کے لئے ہمارے نزدیک یہی امر کافی ہے کہ وہ صاحب تقویٰ ہو اور اس سے غلطیاں کم ہوئی ہوں یہ ضروری نہیں کہ وہ انبیاء اور ملائکہ کی طرح معصوم بھی ہو۔

یہ بھی ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ تاریخی حیثیت سے ہم کسی شخص کی صرف اس فضیلت کو لکھ سکتے ہیں جن سے واقعات سے ثبوت ملے محض مذہبی روایات جو کسی کی فضیلت میں وارد ہوں اُن کے بیان کرنے کا حق ہم کو نہیں ہے وہ مذکروں اور واعظوں کا حصّہ ہے۔

نیز بعض اسلامی فرقوں نے بعض تاریخی واقعات پر مذہبی رنگ چڑھا رکھا ہے ہم ان واقعات کو محض تاریخی حیثیت سے لکھیں گے۔

اسی طرح سلف میں سے بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ مشاجراتِ صحابہ کو نظر انداز کر دینا چاہیے۔ ممکن ہے کہ عقیدت مندی کے لحاظ سے ان کا یہ قول درست ہو لیکن ہمارا مقصود محض فضائل و مناقب کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ تاریخی واقعات اور حقائق کا بیان کرنا ہے تاکہ ان سے عبرت حاصل کی جائے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی انہیں باہمی نزاعوں سے اُمت کو بہت کچھ سبق ملتے ہیں پھر ہم ان کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔ ہاں بحیثیت تاریخ نگار کے ہمارا یہ فرض ضرور ہے کہ جو کچھ لکھیں بے تعصبی سے لکھیں تاکہ ہماری سعی اُمت کے لئے مفید اور اللہ کے نزدیک مقبول ہو۔ چنانچہ اس ذمہ داری کا ہم کو برابر احساس رہا اور ہم نے اشخاص کے اعمال کے بجا یا بے جا ہونے کا فیصلہ بلا طرفداری صرف حق اور انصاف پر رکھا۔

مقدمہ

فن تاریخ

تاریخ کی حقیقت

اہل زمانہ کے واقعات اور حالات کے بیان کو تاریخ کہتے ہیں۔ اس عام تاریخ میں ہر شخص کے حالات اور ہر قسم کے واقعات داخل ہیں اور اصلیت یہ ہے کہ فن تاریخ کی جو غرض ہے یعنی عبرت اور تجربہ وہ ہر شخص کی زندگی کے سوانح سے کچھ نہ کچھ ہم حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن چونکہ عہد سابق میں بادشاہوں کی لڑائیوں کی داستانیں اور انہی کے واقعات کے فسانے لوگ بیان کرتے تھے اس وجہ سے تاریخ کا زیادہ تر تعلق سلاطین اور امور سلطنت کے ساتھ ہو گیا۔ پھر امرا، علما، حکما اور دوسرے طبقات کے بڑے لوگوں نے جس قدر اپنی ہستی کی اہمیت دنیا پر ظاہر کی اسی قدر تاریخ میں ان کو بھی حصہ ملتا گیا اور اب تو اشخاص اور افراد سے گذر کر علوم و فنون بلکہ دنیا کی ہر چیز کی جداگانہ تاریخ لکھی جاتی ہے اور اس فن کے رقبے کی وسعت تمام موجودات عالم پر حاوی ہو گئی ہے۔

تاریخ کی ضرورت

انسان کی زندگی میں اس قدر شاہراہیں پیش آتی ہیں کہ جب تک تجربے کی مشعل اس کی رہنمائی نہ کرے وہ کبھی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس لئے گذشتہ ناموروں کے واقعات اور حالات یاد رکھے جاتے ہیں کہ ان سے تجربہ حاصل کر کے ہم اپنی زندگی میں کام لیں۔ انھوں نے جو غلطیاں کیں اُن سے بچیں تاکہ وہ بُرے نتیجے ہم کو بھگتنے نہ پڑیں۔ جو انھوں نے بھلے اور جو عمدہ کام کئے اور اُن سے فائدے اُٹھائے، ہم بھی ان اعمال سے نفع حاصل کریں۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں جو آدمی جس قدر ناموری پیدا کرنا چاہتا ہے۔ تاریخ اسی قدر اس کے لئے ناگزیر ہے کیونکہ اسی کو لازم ہے کہ وہ ان لوگوں کے حالات پڑھے جو دنیا میں پہلے

بڑے کارنامے چھوڑ گئے ہیں، ان کی کوشش ہمت اور جرأت کو دیکھے اور ان کی مصیبتوں کو جو انھیں اپنے مقاصد کی تکمیل میں برداشت کرنی پڑیں پیش نظر رکھ کر خود اپنی مصیبتوں اور تکلیفوں میں نہ گھبرائے اور صبر و ثبات کے ساتھ کوشش میں لگا رہے۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے آنحضرتؐ کو مخاطب کرکے فرمایا ہے:

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ

اور ہم تم کو رسولوں کی وہ تمام خبریں سناتے ہیں جو تمھارے دل کو مضبوط کریں۔

تاریخ کا فائدہ

انسانی زندگی نہایت محدود ہے تاریخ ہی ایک ایسی چیز ہے کہ اس کے ذریعے سے انسان اپنی زندگی کی کڑیاں زمانہ گذشتہ سے ملا سکتا ہے ہزار سال کے واقعات اس کی نگاہوں کے سامنے آجاتے ہیں اور مختلف زمانوں اور مختلف طبقوں کے لوگوں سے وہ معنوی طور پر ملاقات کرتا ہے ان کی باتیں سنتا ہے اور ان کے حالات دیکھتا ہے اس طریقہ پر یہ فن انسانی عمر کو علم اور تجربہ کے لحاظ سے بڑھا دیتا ہے۔

علاوہ بریں شخصی زندگی نام ہے اس تسلسل واقعات کا جو ہر شخص کے دماغ میں محفوظ ہے اور اس کے ماضی کو حال اور استقبال سے ملاتا ہے بعینہٖ اسی طرح قومی زندگی کے واقعات کے سلسلے کو تاریخ محفوظ رکھتی ہے اس لحاظ سے فن تاریخ گویا قوم کی قوت حافظہ ہے کہ اس کے ذریعے سے قومی زندگی کا تسلسل اور خلف کا سلف کے ساتھ تعلق قائم رہتا ہے۔

درس تاریخ

تاریخ پڑھنے کے لئے سب سے زیادہ ضرورت اس امر کی ہے کہ تعصب اور طرفداری کو چھوڑ کر اس کا مطالعہ کیا جائے۔ کیونکہ محبت یا عداوت کے جذبات صحیح رائے قائم نہیں کرنے دیتے دو شخصوں سے بعینہٖ ایک فعل صادر ہوتا ہے لیکن تعصب کی وجہ سے انسان اس کی مختلف تاویلیں کردیتا ہے۔ مثلاً ایک دولت مند جس سے ہم کو محبت ہے جب کسی غریب کو کچھ دیتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ شخص بہت فیاض اور غریب پرور ہے لیکن ایک دوسرا مالدار جس کو ہم برا سمجھتے ہیں جب کسی فقیر کو کچھ بخشتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ ریاکار ہے محض دکھانے کے لئے دیتا ہے۔

الغرض تاریخ کے طالب علم کو تعصب سے قطعاً الگ رہنا چاہیے ورنہ اس فن کا فائدہ اس کو نہیں حاصل ہو سکے گا۔

واقعات کو اسی حیثیت سے دیکھنا چاہیے جس حیثیت سے وہ واقع ہوئے ہیں نہ کہ اس طرح جس طرح پر ہم چاہتے ہیں۔

یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ہم ان لوگوں کی تاریخ پڑھ رہے ہیں جو گزر گئے اگر انھوں نے کوئی غلطی کی ہے تو اس کے ذمے دار وہی لوگ ہیں ہم نہیں ہیں۔ اور اگر ان میں کوئی خوبی تھی تو ہم کو اس کا کچھ نفع نہیں پہنچ سکتا۔ تاوقتیکہ ہم خود اپنے اندر بھی وہی خوبی نہ پیدا کرلیں۔ قرآن میں ہے:-

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ط

یہ ایک اُمت تھی جو گزر گئی ان کی کمائی ان کے لئے ہے اور تمھاری کمائی تمھارے لئے ہے تم سے انکے اعمال کی پرسش نہ ہوگی۔

اسلامی تاریخ کی خصوصیت

تمام اقوام عالم کی تواریخ میں اسلامی تاریخ کو جو امتیاز حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اہل اسلام نے ابتدا ہی سے اپنی تاریخ محفوظ رکھی ہے اور اس طرح پر محفوظ رکھی ہے کہ واقعات کی روایات کے سلسلۂ اسناد کو کہیں نہیں چھوڑا چونکہ دنیا کی کسی قوم کی تاریخ میں یہ بات نہیں پائی جاتی اس لئے تمام اقوام کی تاریخ بے ثبوت قرار پاتی ہے اور صرف اُمت اسلام کی تاریخ قابلِ اعتبار ٹھہرتی ہے۔

قدیم مورخین اسلام نے جس قدر تاریخیں لکھی ہیں ان میں یہ سلسلہ سند واقعات اور حالات جمع کردئے ہیں۔ اور یہ ہی اس زمانے میں تاریخ کا معیار تھا۔ ان کا طریقہ یہ تھا کہ واقعات کے متعلق اپنے خیالات کو ظاہر نہیں کرتے تھے اور پڑھنے والے کو اپنی رائے کا غلام نہیں بنانا چاہتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ تاریخی بیان میں استعارہ اور تشبیہ کو بھی ناجائز سمجھتے تھے کیونکہ ان سے واقعات کی رنگ آمیزی ہوتی ہے حقیقت کا اظہار نہیں ہوتا۔

ہرچند کہ اصولاً اور انصافاً یہ طریقہ پسندیدہ تھا۔ لیکن اب زمانہ بدل گیا۔ لوگ مورخ کی رائے کو بھی ضروری سمجھنے لگے۔ اس لئے خود مسلمان بھی اپنی روش بدلنے پر مجبور ہوگئے

اسلام کا مفہوم

تاریخ اسلام سے اس امّت کی تاریخ مراد لی جاتی ہے جس کے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کے آخر میں ملک عرب سے ظہور فرمایا اور دین اسلام کی تعلیم دی۔ ان کے عہد سے آج تک کے اس اُمت کے تمام کارنامے اسلامی تاریخ کا سرمایہ ہیں۔

چونکہ تاریخ اسلام کا آغاز ملکِ عرب سے ہوتا ہے، اس لئے پہلے اس ملک کا مختصر بیان کر دینا بھی ضروری ہے۔

جزیرہ نمائے عرب

اہل عرب جس قطعہ زمین پر آباد ہیں وہ بحر احمر، بحر ہند، خلیج عمان اور دریائے فرات طرح پر پانی سے گھرا ہوا ہے کہ ایک جزیرہ نما معلوم ہوتا ہے طبعی لحاظ سے اس ملک کے چار حصے ہیں،

تہامہ۔ وہ حصہ ہے جو قلزم کے سواحل سے کوہ سراۃ تک واقع ہے۔

حجاز۔ سراۃ کے کوہستانی سلسلے کو کہتے ہیں جو یمن سے شروع ہو کر شام تک چلا گیا ہے جس کا عرض تقریباً سو میل ہے۔

نجد۔ اسی کوہستان کے مشرقی حصے کو کہتے ہیں جو یمن سے شروع ہو کر سماوہ عراق تک پہنچتا ہے۔

یمن۔ وہ قطعہ ہے جو نجد کے جنوب سے بحر ہند کے ساحل تک اور مشرق حضر موت اور عمان تک پھیلا ہوا ہے۔

عروض۔ بلاد یمامہ اور بحرین وغیرہ کو کہتے ہیں۔

عرب میں بارش کم ہوتی ہے، وہاں کی زمین بیشتر ریگستانی ہے، پہاڑ بھی بہت کم ہیں سیاہی مائل ہیں اور کسی قسم کی روئیدگی ان میں نہیں ہے انھیں میں سے جا بجا پانی کے چشمے نہیں جن کی وجہ سے کہیں کہیں سرسبزی نظر آجاتی ہے۔ ایسے ہی مقامات پر لوگ جمع ہو گئے

ہیں ورنہ اس ملک کا زیادہ تر حصہ پانی سے خالی اور غیر آباد ہے۔

یہ چشمے جو پہاڑوں سے نکلتے ہیں ان کا پانی بھی آگے بڑھ کر ریگستانوں میں جذب ہو کر فنا ہو جاتا ہے۔ باشندے اس کو جمع رکھنے کے لئے موقع موقع سے تالاب کھود لیتے ہیں جن کو روضہ کہتے ہیں۔ لیکن اکثر یہ بھی خشک ہو جاتے ہیں، اس لئے تمام ملک میں پانی کی قلت رہتی ہے اور جب کبھی بارش نہیں ہوتی تو بہت سختی گذر جاتی ہے۔

یمن کا خطہ نسبتاً سرسبز ہے، اس میں نخلستان ہیں اور کھیتیاں بھی ہوتی ہیں اسی وجہ سے بخلاف عرب کے دوسرے حصوں کے اس میں شہر زیادہ آباد ہیں۔

سرزمین نجد میں عرب کا سب سے بڑا چشمہ دھنا گزرتا ہے۔ اس کے علاوہ بعض اور چشمے بھی ہیں لیکن ان سے نفع اٹھانے کی صورت بہت کم ہے اور سوائے چند وادیوں کے تمام قطعہ بے آب وگیاہ نظر آتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بادیہ نشین عرب اکثر ایک جگہ نہیں رہ سکتے اور چارہ اور پانی کی تلاش میں جابجا سفر کرتے رہتے ہیں اسی دائمی سفر کی وجہ سے ان میں جفاکشی اور چستی کی عادت رہتی ہے۔

بوجہ عدم روئیدگی اور پیداوار کے ان کی معیشت کا زیادہ تر دارمدار اونٹوں پر ہے اسی کے دودھ اور گوشت سے اُن کی پرورش ہوتی ہے۔ اسی کے اون سے اُن کے خیمے اور لباس بنتے ہیں۔ اور اسی کی پشت پر مع اہل وعیال کے وہ سفر کرتے رہتے ہیں۔

اہل عرب

ملک عرب کے باشندے حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کی اولاد میں سے ہیں یہ تین طبقوں میں منقسم ہیں۔

(۱) عرب بائدہ۔ یعنی قدمائے عرب جو پہلے اس ملک میں آباد تھے اور پھر مٹ گئے اُن کے متعدد قبیلے تھے۔ عاد، ثمود، عمالقہ، طسم، جدیس، امیم، جرہم، اور حضرموت وغیرہ۔

ان لوگوں نے عراق سے لے کر شام اور مصر تک سلطنتیں قائم کی تھیں بابل اور اشور کی حکومت اور قدیمی تمدن کے بانی یہی لوگ تھے۔ ان کے مفصل حالات اگرچہ تاریخوں میں نہیں ہیں لیکن اب بابل، مصر، یمن اور عراق کے آثار قدیمہ سے اکتشافات ہو رہے ہیں اور کتابیں لکھی جا رہی ہیں۔

(۲) عرب عاربہ یعنی **قحطان** جو یمن کے باشندے ہیں۔

(۳) عرب **مستعربہ** یعنی عدنان جو حضرت **اسمٰعیل** علیہ السلام کی اولاد ہیں۔

ان دونوں طبقوں کا حال ہم مختصراً لکھتے ہیں:-

قحطان

ان کا اصلی گہوارہ یمن ہے ان کے مشہور قبیلے حمیر، کہلان اور ازد ہیں۔

حمیر کی تین شاخیں مشہور ہیں۔ قضاعہ، سکاسک اور زید جمہور۔

کہلان کی سات شاخیں ہیں ہمدان، انمار، طے، مذحج لخم جذام اور کندہ اور آزد کی بہت سی شاخیں ہیں۔ انھیں قبیلوں سے ملوک تبابعہ ہوئے اور یہیں کے شہر سبا کی ملکہ حضرت بلقیس تھیں۔

ان لوگوں نے ملک کی آبادی کے لئے چشموں میں جا بجا بند باندھ کر ان کا پانی محفوظ کیا تھا، جس وقت چاہتے تھے ان سے اپنے کھیتوں اور باغوں کو سیراب کر لیتے تھے اور پھر بند کر دیتے تھے۔ ان میں سب سے بڑا بند شہر مآرب کا تھا۔ یہ تین پہاڑوں کے درمیان واقع تھا۔ جہاں بہت سے چشموں کا پانی آکر جمع ہوتا تھا۔

ایک مدت کے بعد پانی کے زور سے یہ بند کمزور ہو کر ٹوٹ گیا جس سے یمن میں ایک بڑا سیلاب آگیا جس کا ذکر قرآن میں بھی ہے۔ اس تباہی کی وجہ سے وہاں کے اکثر خاندان نکل کر عرب کے مختلف مقامات میں جا کر آباد ہو گئے۔

آزد میں سے ثعلبہ اپنے قبیلے کے ساتھ مدینے کی طرف آیا۔ یہاں جو چند خاندان

بنی اسرائیل کے رہتے تھے ان کو مغلوب کر لیا۔ قلعے بنائے اور نخلستان لگائے۔ اسی کی اولاد میں سے اوس اور خزرج مدینے کے دونوں قبیلے تھے۔

ازد کا دوسرا شخص حارثہ بن عمر جو خزاعہ کے نام سے مشہور ہے حرم کی طرف آیا اس نے مکہ پر قبضہ کر کے بنی جرہم کو وہاں سے نکال دیا۔

ازد میں سے نصر تہامہ میں آباد ہوا۔ اس کی اولاد کے متعدد قبیلے ہوئے جو ازد شنوہ کہے جاتے تھے۔

عمرو ازدی کا ایک بیٹا عمران عمان کی طرف گیا اور وہیں وطن بنا لیا۔ اس کی اولاد ازد عمان کے نام سے مشہور ہوئی، اس کا دوسرا بیٹا جفنہ شام کی سرحد کی طرف چلا گیا وہاں اُس نے سرحدی قبائل پر اپنی حکومت قائم کر لی۔ جو عرصہ دراز تک اس کے خاندان میں رہی۔ یہ لوگ ملوک غساسنہ بولے جاتے تھے۔ کیونکہ ان کی سکونت پہلے ایک چشمے پر تھی، جس کا نام غسان تھا۔

کہلان میں سے لخم کا قبیلہ عراق میں آگیا انھیں میں سے ملوک حیرہ ہوئے۔
طے کے لوگ مدینے کے شمال مشرق میں آکر بسے اور قضاعہ کی ایک شاخ بنی۔
کلب نجد کے شمالی سرحد پر آباد ہوئی۔ حمیر، کندہ، مذحج وغیرہ قبائل یمن میں رہے۔

عدنان

عدنان کا اصلی وطن مکہ ہے ان کے بیٹے کا نام معد اور پوتے کا نزار تھا اسی وجہ سے عدنانی قبائل معدی اور نزاری بھی بولے جاتے ہیں! ان کے مشہور قبیلے ایاد۔ ربیعہ اور مضر ہیں۔

ربیعہ کے قبائل بہت نامور ہوئے۔ تاریخ عرب میں ان کا بہت ذکر ہے۔ شرف و عزت میں یہ لوگ مضر کے حریف تھے۔ زمانہ اسلام میں خوارج زیادہ تر انھیں میں سے ہوئے ہیں۔ انھیں میں سے ایک قبیلہ عبدالقیس ہے جس کی دو شاخیں ہیں بکر اور تغلب۔ پھر بکر کی دو شاخیں ہیں بنی حنیفہ اور عجل۔ مضر کے دو شعبے ہوئے قیس عیلان اور یاس۔ قیس عیلان میں سے بنی سلیم

بنی ہوازن اور بنی غطفان ہوئے پھر بنی غطفان کی دو شاخیں بنی ذبیان اور بنی عبس ہیں۔
یاس کے مشہور قبیلے تمیم، ہذیل، اسد اور کنانہ ہیں۔ کنانہ میں سے فہر بن مالک
ہوئے جن کو قریش بھی کہتے ہیں۔ قریش کی اولاد میں متعدد قبائل ہوئے جن میں مشہور حسب ذیل ہیں:
بنی جمح۔ بنی سہم۔ بنی مخزوم۔ بنی تیم۔ بنی عدی، بنی زہرہ، بنی عبدالدار اور بنی
عبد مناف۔ عبد مناف کے چار بیٹے تھے عبد شمس۔ نوفل، مطلب اور ہاشم۔
ہاشم کی اولاد میں ہمارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب
بن ہاشم ہوئے۔
خلفائے عباسی حضرت عباس بن عبدالمطلب اور علوی حضرت علی بن ابی طالب
بن عبدالمطلب کی اولاد ہیں۔
عبد شمس کے بیٹے اُمیہ تھے۔ اُن کی اولاد بنی اُمیہ کہی جاتی ہے۔
عدنانی قبائل خزاعہ سے مغلوب ہو کر جب مکہ چھوڑ کر نکلے تو مختلف مقامات میں پھیل گئے۔
بنی بکر بحرین میں آئے یہ ایران کے زیر اثر ہو گئے۔ کسریٰ کے دربار کی نامزدگی سے
اسی قبیلہ کا کوئی شخص ان کا سردار مقرر کر دیا جاتا تھا۔ ظہور اسلام کے زمانے میں ان کا امیر
منذر بن ساوی تھا بنی حنیفہ یمامہ میں گئے اور اس کے صدر مقام حجر میں سکونت اختیار کر لی۔
ان کا سردار آغاز اسلام میں ہوذہ بن علی تھا۔ بنی تغلب سواحل فرات پر بنی تمیم اس جگہ
جہاں بصرہ بسایا گیا اور بنی سلیم مدینے کے قرب و جوار میں آباد ہوئے۔ بنی ہوازن میں سے
ثقیف طائف میں رہے اور باقی مکے کے مشرق میں بسے۔ بنی اسد کوفہ کے مغرب
میں بنی ذبیان تیمار سے حوران تک آباد ہو گئے۔ کنانی قبائل نے تہامہ میں بود و باش
اختیار کر لی۔ اور مکہ اور اس کے ارد گرد عدنانیوں میں سے صرف قبائل قریش رہ گئے
لیکن وہ متفرق تھے۔ جب ان میں قصی بن کلاب پیدا ہوئے تو انھوں نے سب کو
مجتمع اور متحد کر کے مکہ سے بنی خزاعہ کو نکالا۔

حضری اور بدوی

اہل عرب کی بلحاظ سکونت گاہ کے دو قسمیں ہیں۔ شہری اور بدوی یعنی بادیہ نشین جو آسمان کی چھت کے نیچے کھلے ہوئے وسیع بیابانوں میں جہاں چاہتے ہیں اپنے اونی اور چرمی خیمے لگا کر رہتے ہیں۔ اُن کی غذا بالعموم اونٹ کا دودھ اور گوشت ہے۔ ان کی طبیعت میں سادگی، مزاج میں تندی اور گفتگو میں سختی ہوتی ہے۔

عرب میں بہت سے شہر تھے خاص کر یمن میں زیادہ تھے مثلاً مارب اور صنعاء جن کی نسبت اہل یمن کا خیال ہے کہ روئے زمین کے قدیم ترین شہر ہیں زبید۔ عدن رسعدہ مخا اور شبام وغیرہ تہامہ میں مکہ۔ طائف۔ مدینہ اور خیبر۔ نجد میں حائل۔ عروض میں حجر اور بحرین میں قطیف۔

تجارت

عرب میں متعدد مشہور بازار تھے جن میں خرید و فروخت کے لئے باشندے جمع ہوتے تھے عراق اور ایران سے بھی کپڑے اور ضروری چیزیں لے کر تاجروں کے قافلے آیا کرتے تھے جن کی حفاظت عربی قبائل کے رؤسا کے ذمے ہوتی تھی۔ قریش بھی ہر سال دو تجارتی سفر کرتے تھے۔ گرمیوں میں ملک شام میں اُن کے قافلے جاتے تھے اور جاڑوں میں یمن میں۔

اہل یمن حبشہ، ایران اور نیز ہندوستان سے تجارتی تعلقات رکھتے تھے وہاں متعدد بندرگاہ بھی تھے۔

صنعت و حرفت

صنائع سے اہل عرب عام طور پر صرف بے بہرہ نہیں بلکہ متنفر تھے۔ یہاں تک کہ بادیہ نشین بھی پیشوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔

جریر اور فرزدق شاعر جو دونوں بنی تمیم میں سے اور زندگی بھر ایک دوسرے کی ہجو کرتے رہے اُن کے اشعار کا دفتر دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جریر فرزدق کا بڑے سے بڑا عیب جو نکال سکا ہے وہ یہ ہی کہ اس کے آباؤ اجداد میں سے کوئی شخص تلواروں کی صیقل گری کا پیشہ کرتا تھا۔ یمن میں چونکہ بعض لوگ دباغت چرم اور نوربافی کا پیشہ کرتے تھے اس لئے اہل یمن

عرب میں ذلیل سمجھے جاتے تھے۔ ہاں عورتیں تمام عرب میں بالعموم چرخہ کاتتی تھیں۔
تعمیر کا کام رومی اور ایرانی معماروں سے لیا جاتا تھا۔

عربی کتبہ

وہ لوگ اہل عرب پر بڑا ستم کرتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ان کی نگاہ میں عورت کی عزت نہیں تھی۔ ان کے اشعار کے دفتر سے جو شہادت ملتی ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس کی عزت اور حرمت کا خاص خیال رکھتے تھے۔ بڑے بڑے سردار ان قبائل اور شعرا جب اپنے کرم اور شجاعت کی مدح خوانی کرتے تھے جس سے کہ ملک میں اُن کا نام روشن ہو تو وہ عورت ہی کو مخاطب کرتے تھے۔ عورت نے اگر فضول خرچی پر ملامت کی ہے تو قصیدہ میں نرم سے نرم اور لطیف سے لطیف پیرائے میں اُس کا جواب دیتے تھے اور ربتہ البیت وغیرہ عزت کے لقب سے اس کو پکارتے تھے۔ اکثر نام کے بجائے اس کا ذکر کنیت کے ساتھ کرتے تھے جو اُن کے نزدیک تعظیم کی علامت تھی۔ وہ اپنے آپ کو اس فخر کے ساتھ اپنی ماؤں کی طرف بھی منسوب کرتے تھے۔ جس فخر کے ساتھ اپنے باپوں کی طرف۔

عورت کا عربی قبائل میں یہ اثر بھی اُن کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی خفگی سے قبیلے لڑ بیٹھے ہیں اور اس کی کوشش سے لڑائیاں بند ہو گئی ہیں۔

الغرض عرب کے اشعار سے بالعموم عورت کی اہانت اور تحقیر کی ذرا بھی بو نہیں آتی اور شعرا چونکہ اپنے زمانے کی زبان ہوتے ہیں اس لئے یہ کہنا صحیح ہے کہ عرب عورتوں کا احترام کرتے تھے۔ بیشک ان کے یہاں مردوں کی عورتوں پر عظمت اور فوقیت حاصل تھی۔

بالعموم مرد و عورت کا باہمی تعلق فریقین کے اولیاء کی رضامندی کے بعد بذریعہ عقد نکاح کے ہوتا تھا۔ عورت کو یہ حق حاصل نہیں تھا کہ وہ خود اپنا نکاح کرے۔ بیٹی، بہن، پھوپھی اور خالہ وغیرہ کے ساتھ نکاح کرنا حرام سمجھتے تھے۔

آوارہ گرد غربا اور شوریدہ سر نوجوانوں میں نکاح کے بعض بعض اور بھی طریقے

تھے لیکن جمہور عرب ان کو پسند نہیں کرتے تھے۔

تعداد ازدواج کا بھی ان میں دستور تھا اور اس کی کوئی خاص حد معین نہ تھی چنانچہ حضرت غیلان ثقفی نے جس وقت اسلام قبول کیا ہے اس وقت دس عورتیں ان کے نکاح میں تھیں۔

طلاق کا اختیار مرد کو حاصل ہوتا تھا لیکن بعض شریف قبائل کی لڑکیاں نکاح کے وقت پر یہ شرط کر لیتی تھیں کہ طلاق اُن کے ہاتھ میں ہوگی۔

لڑائیوں میں جو عورتیں مال غنیمت کے طور پر ملتی تھیں وہ بھی حلال سمجھی جاتی تھیں لیکن ان سے جو اولاد پیدا ہوتی تھی وہ کنیز زادی کہلاتی تھی۔ اس وجہ سے شرفاء عرب اپنی اولاد کو اس ننگ سے بچانے کے لئے ان سے احتراز کرتے تھے۔ وہ اپنی اولاد پر حسب اپنے احسان گناتے تھے تو سب سے پہلے یہ کہتے تھے کہ ہم نے تمہارے لئے آزاد مائیں تلاش کیں۔ بیٹیوں کی پرورش نہایت الفت کے ساتھ کرتے تھے کہ دشمنوں کے مقابلے میں وہ سپر بنیں اور قبیلے کی عزت کی محافظت کریں۔ اسی لئے اکثر درندوں کے نام سے ان کو پکارتے تھے۔ مثلاً اسد۔ فہر کلب اور ذئب وغیرہ۔

بیٹیوں کو بعض لوگ بے شک زندہ گاڑ دیتے تھے۔ لیکن یہ رسم تمام عرب میں نہ تھی۔ بلکہ صرف تمیم کے چند ادنیٰ قبائل میں تھی جو ننگ و عار اور بیشتر محتاجی کے خوف سے ایسا کرتے تھے لیکن چونکہ یہ بات انسانی فطرت کے خلاف تھی اس لئے خود اشراف تمیم اس کو ناپسند کرتے تھے ان میں بعض لوگ ایسے بھی تھے کہ ان فقراء کو جو بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا چاہتے تھے مال دے کر خوش حال کر دیتے تھے کہ وہ اُن کی پرورش کر سکیں۔ فرزدق شاعر کا دادا غالب بن صعصعہ اس کوشش میں خاص طور پر مشہور رہا۔

بھائی کی امداد کو فرض سمجھتے تھے خواہ حق پر ہو یا ناحق پر۔ قبیلے کے ایک آدمی کا آواز لگا دینا لڑائی کے لئے کافی ہوتا تھا اور اگر اس میں کوئی پہلو تہی کرتا تھا تو شعراء اس کی ایسی ہجو کرتے تھے کہ وہ اپنے رتبے سے گر جاتا تھا۔

جن قبیلوں سے عہد ہو جاتا تھا ان کو حلیف کہتے تھے۔ اُن کے بھی ہر فرد کی مدد بمنزلہ اپنے اہلِ قبیلے کے لازمی ہوتی تھی۔ یہ معاہدہ کبھی بذریعے افراد کے ہوتا تھا اور کبھی رؤسا قبائل کرتے تھے۔

لیکن باوجود اس کے کبھی کبھی ایک ہی قبیلے کی دو شاخوں میں لڑائی ہو پڑتی تھی جس کے متعدد اسباب ہوتے تھے۔ مگر دو سبب خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

اوّل یہ کہ عرب کا مدارِ معیشت اونٹوں پر تھا جن کے لئے وہ چراگاہوں اور پانی کے چشموں کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ جہاں اُن کے مویشی چریں اور پانی پئیں لیکن کوئی ایسا قانون ان کے یہاں موجود نہ تھا جس کی رو سے ان چشموں اور چراگاہوں پر کسی کا حقِ ملکیت مسلّم ہو۔ اس لئے انھیں مقامات پر چرواہوں میں جھگڑے ہوتے تھے اور پھر وہ اُن کے مالکوں تک متعدی ہو جاتے تھے۔ کمزور فریق کبھی کبھی ترکِ وطن کرتے۔ دوسری جگہ چلا جاتا تھا اس کی اولاد میں سلسلہ بسلسلہ وہ عداوت کے قصے منتقل ہوتے چلے آتے تھے۔ یہاں تک کہ جب اس میں خود یا حلیف قبائل کی مدد سے طاقت پیدا ہو جاتی تھی تو وہ آکر اپنے بزرگوں کا انتقام لیتا تھا۔

دوم تنازعِ ریاست یعنی کبھی کسی قبیلے کا سردار مر جاتا اور اُس کا بیٹا جانشین ہوتا تو اس کے بنی اعمام مقابلے کے لئے کھڑے ہو جاتے۔ اس طرح دونوں شاخوں میں باہم عداوت اور خصومت ہو جاتی جیسے مدینے کے قبائل اوس اور خزرج میں تھی۔

انھیں اسباب سے ایک ہی باپ کی اولاد میں بڑی بڑی خونریز لڑائیاں ہو جاتی تھیں اور ملک میں کوئی ایسی طاقت موجود نہ تھی جو ان جھگڑوں کا فیصلہ کرتی اس لئے عرصۂ دراز تک ان خصومتوں کا سلسلہ باقی رہتا تھا۔ شعراء کی زبانیں دونوں طرف سے اس آگ پر اور تیل ڈالتی تھیں اور ہر ایک دوسرے کے معائب بیان کرکے ان کی تحقیر کی کوشش کرتا تھا۔

شعرائے عرب کے مجموعۂ اشعار پر نظر ڈالنے سے اہلِ عرب میں زیادہ تر عیب ہی عیب نظر آتے ہیں یہاں تک جن قبائل کی شرافت عام طور پر مسلّم تھی وہ بھی ان گمراہیوں کی

زبان سے بے داغ نہیں بچے ہیں۔

چونکہ اس قسم کی عداوتیں اکثر قبیلوں میں رہتی تھیں اس وجہ سے ان میں باہمی لڑائی کے کسی قوی سبب کی ضرورت نہیں پڑتی تھی بلکہ تھوڑی سی تحریک پر بہت سے بچے یتیم اور بہت سی عورتیں بیوہ ہو جاتی تھیں۔

عرب جاہلیت کا نظامِ سیاسی

عرب میں دو قسم کے صنادید تھے۔ شاہانِ تاجدار جو بالاستقلال یا کسی شہنشاہ کے زیرِ اثر حکومت رکھتے تھے۔ دوسرے رؤسار قبائل جو اپنے اپنے قبیلوں کے امیر ملنے جاتے تھے۔ یہ لوگ بھی کبھی کبھی خودمختار اور کبھی کسی تاجدار کے ماتحت ہوتے تھے۔

شاہانِ تاجدار میں سے یمن، حیرہ اور سرحد شام کے ملوک خاص طور پر شہرت رکھتے تھے۔

ملوک یمن

سرزمینِ یمن میں قحطانی قبائل کی شاخیں پھیلی ہوئی تھیں۔ ہر ایک قبیلہ جس قدر حصۂ زمین پر تسلط رکھتا تھا اس کو مخلاف کہتے تھے۔ ان مخلافوں کی کل تعداد ۸۴ تھی۔ کبھی کبھی ایک مخلاف کا رئیس اپنی طاقت بڑھا کر دوسرے مخلاف پر بھی قابض ہو جاتا تھا۔ جب اس کا دائرہ حکومت زیادہ وسیع ہو جاتا تھا تو اس کو ملک کہنے لگتے تھے وہاں اسی قسم کے دو شاہی خاندان معینی اور سبائی نہایت نامور گذرے ہیں سبائی خاندان کی ملکہ بلقیس کا ذکر توریت اور نیز اشارتاً قرآن مجید میں بھی آیا ہے۔

سب سے بڑا مخلاف صنعار کا تھا۔ وہاں کے رؤسار ملوک کہے جاتے تھے ان میں سے

یوسف ذونواس بہت مشہور ہے۔ اس نے موسوی دین اختیار کرلیا تھا۔

صنعاء میں ۳۴۳ء سے عیسائی مبلغین سلطنت روم کی طرف سے آنے شروع ہوگئے تھے۔ ایک زمانے کے بعد ان کی کوشش سے ذونواس کی رعایا میں سے بعض لوگ جو نجران کے باشندے تھے عیسائی ہوگئے۔ ذونواس نے ان پر یہاں تک سختی کی کہ اُن کو آگ میں جلا دیا۔

یہ واقعہ ۵۲۳ء میں ہوا۔ اس کی خبر جب قیصر جوستین کو پہنچی تو اس نے حبشہ کے بادشاہ کو جس کا لقب نجاشی تھا اور جو خود عیسائی اور رومی حکومت کے زیر اثر تھا یہ حکم بھیجا کہ وہ ذونواس سے اس کا بدلہ لے۔ نجاشی نے اس کے حکم کے مطابق ایک حبشی سردار ارياط کو فوج دے کر روانہ کیا اس نے آکر صنعاء پر قبضہ کر لیا۔ ذونواس نے ناموس کے خیال سے سمندر میں ڈوب کر خودکشی کرلی ارياط وہاں ایک عرصہ تک رہا لیکن اس کی فوج کے ایک امیر ابرہہ نامی نے اُس کو قتل کرڈالا۔ اور شاہ نجاشی کو راضی کرکے صنعاء کی حکومت کا فرمان حاصل کرلیا۔

اسی ابرہہ نے صنعاء میں ایک کنیسہ تعمیر کیا اور یہ چاہا کہ اہل عرب بجائے کعبہ کے اسی گھر کا آکر حج اور طواف کریں۔ مطلب یہ تھا کہ اُس سے اُن کا رجحان عیسائیت کی طرف ہوجائے گا اور رفتہ رفتہ آسانی کے ساتھ اس مذہب کو قبول کرلیں گے۔

چنانچہ اس نے تمام قبائل عرب کو صنعاء میں حج کے لئے بلایا۔ بعض کم زور اور ماتحت قبیلے وہاں آنے بھی لگے۔ لیکن بالعموم اہل عرب جو ہزارہا سال سے کعبہ ابراہیمی یعنی بیت اللہ کا طواف اور حج کرتے تھے اور اُن کے دلوں میں اس کا بے حد احترام اور تقدس تھا۔ یہاں آنے پر رضامند نہ ہوئے اس لئے ابرہہ ایک جرار لشکر لے کر ہاتھی پر سوار ہو کر خود مکہ کی طرف چلا کہ کعبہ کو منہدم کردے تاکہ ناچار ہو کر تمام ملک صنعاء میں حج کے لئے آنے لگے مکہ میں پہنچ کر جیسا کہ سُورۂ فیل میں بیان کیا گیا ہے ابرہہ اور اُس کا لشکر عذاب الٰہی سے تباہ ہوگیا۔

ابرہہ کے بعد اس کا پہلا بیٹا یکسوم اور اس کے بعد اس کا دوسرا بیٹا مسروق حکمراں ہوا۔ سابق ملوک یمن کی اولاد میں سے اس وقت سیف بن ذی یزن حمیری تھا جو اس دھن میں لگا تھا کہ کسی طرح اسلاف کی کھوئی ہوئی سلطنت کو پھر حاصل کرے۔ پہلے قیصر کے دربار میں گیا اور وہاں کوشش کی لیکن مایوسی ہوئی۔ اس کے بعد ایران کے بادشاہ نوشیرواں کے پاس پہنچا اس نے امداد کا وعدہ کیا لیکن قبل اس کے کہ یہ وعدہ پورا ہو سیف مرگیا کچھ دنوں کے بعد سیف کا بیٹا معدی کرب ایرانی دربار میں گیا اور وعدہ یاد دلا کر امداد کا خواہاں ہوا نوشیرواں نے ایک ایرانی سپہ سالار دھرز کی سرکردگی میں ایک لشکر معدی کرب کے ساتھ کر دیا۔ یہ لوگ خلیج عمان سے عبور کر کے حضرموت کے ساحل پر اترے۔ وہاں سے صنعاء کا رخ کیا۔ اکثر قحطانی قبیلوں نے بھی ساتھ دیا۔

حبشہ کی فوج نے مقابلے میں شکست کھائی اور ایرانیوں نے اس کو یمن سے نکال دیا۔ دھرز نے معدی کرب کو تاج پہنایا اور اپنی تھوڑی سی فوج صنعاء میں چھوڑ کر واپس چلا آیا۔ یہی ایرانی جو یمن میں رہ گئے تھے ابناء کہے جاتے تھے۔

معدی کرب کو اس کامیابی پر مبارکباد دینے کے لئے عربی قبائل کے سردار جابجا سے آئے۔ منجملہ ان کے شیخ حرم اور سردار قریش عبدالمطلب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا بھی تہنیت کے لئے گئے۔

معدی کرب کی موت کے بعد نوشیرواں نے دھرز کو صنعاء کا والی بنا کر بھیج دیا۔ اب یہ ایرانی سلطنت کا ایک صوبہ ہو گیا یہاں کے والی یکے بعد دیگرے ایرانی دربار سے آتے تھے۔ جس وقت اسلام یمن میں پہنچا ہے تو صنعاء کے والی باذان تھے جو مسلمان تھے۔ صنعاء کے علاوہ یمن میں دوسرے مستقل رئیس بھی تھے جو قیل کہے جاتے تھے۔

ملوک حیرہ

سکندر نے ۳۳۳ قبل مسیح میں جب ایرانیوں کو شکست دیدی اور دارا قتل ہو گیا تو

اس نے اس عظیم الشان سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے اس کو چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کر دیا اور ان کے الگ الگ فرمانروا مقرر کر دئے اس سے اس کی غرض یہ تھی کہ ایرانی سلطنت میں اتنی طاقت نہ رہے کہ وہ پھر یونان پر حملہ کر سکے۔ چنانچہ اس مقصد میں وہ کامیاب ہوا اور تقریباً ۵۶۴ سال تک ایران اسی طوائف الملوکی کی حالت میں رہا اور اس میں غیروں پر حملہ کرنے کی طاقت نہیں تھی۔

۲۲۳ء میں اردشیر نے ایرانیوں کا بکھرا ہوا شیرازہ پھر باندھا اور تمام ملک کو ایک جھنڈے کے نیچے لاکر پھر ایک متحدہ سلطنت قائم کی جو تاریخ میں دولت ساسانی کے نام سے مشہور ہے۔ اس نے ایران کی سرحد سے بڑھ کر عراق پر بھی اپنا تسلط جمایا۔ یہاں قضاعہ کے جو قبیلے آباد تھے انھوں نے اس حکومت کو پسند نہ کیا اور نکل کر ملک شام کی طرف چلے گئے۔ لیکن حیرا اور انبار کے عربوں نے اطاعت قبول کر لی۔

اردشیر نے دیکھا کہ اہل عرب کو ایرانی حکومت کے ماتحت رکھنا مشکل ہے اس لئے اس نے جذیمہ کو جو عراق کا میر قبائل تھا حیرہ کا بادشاہ بنا دیا تاکہ اس کے ذریعے سے وہاں ایرانی حکومت کا اثر رہے۔ سرحد بھی عربوں کی غارتگری سے محفوظ ہو جائے اور رومیوں کے مقابلے کے لئے جن کی حکومت ملک شام میں تھی یہاں سے مدد بھی مل سکے۔

ایرانی فوج کا ایک دستہ بھی حیرہ میں رہتا تھا عرب اس کو دوسر کہتے تھے یہ غالباً دوشیزہ کے لفظ کا بگڑا ہوا خاکہ ہے۔ کیونکہ ایرانی پرچم پر دوشیزہ کی تصویریں تھیں۔

جذیمہ کی موت کے بعد جو تقریباً ۲۶۸ء میں ہوئی قبیلہ لخم کا سردار عمرو بن عدی حیرہ کا بادشاہ ہو گیا۔ شاپور پسر اردشیر کے عہد سے یہی لخمی ملوک متواتر حیرہ کے حکمران ہوتے چلے آئے۔ جب ایران میں قباد تختِ سلطنت پر بیٹھا اور مزدک نے وہاں اپنا اباحیہ مذہب شائع کیا جس کا لب لباب یہ تھا کہ کسی شے یہاں تک کہ عورت پر بھی کسی شخص کا خاص حق نہیں ہے۔ بلکہ ہر ایک کے لئے اس کا استعمال مباح ہے تو قباد

اور نیز اس کی بہت سی رعایا نے اس مذہب کو اختیار کر لیا اس زمانے میں لخمی خاندان میں سے منذر بن ماء السماء حیرہ کا بادشاہ تھا۔ قباد نے اس کو لکھا کہ تم بھی اس مذہب کو قبول کرو اس نے انکار کیا اس لئے اس کو معزول کر کے حارث بن عمر کندی کو جو قبائل بکر کا سردار تھا اس مذہب کا پیرو بنا کر حیرہ کا بادشاہ کر دیا۔

قباد کے بعد جب اس کا بیٹا نوشیرواں تخت نشین ہوا تو اس نے مزدک اور اس کے پیرووں کو قتل کر کے اس مذہب کو ایران سے مٹا دیا۔ کیونکہ وہ اس کو ملک اور رعایا کے لئے مضر اور انسانی فطرتی غیرت اور حمیت کے منافی سمجھتا تھا۔

اس نے منذر کو پھر حیرہ کی حکومت عطا کی اور پھر لخمی خاندان میں اس کا سلسلہ چلا جب نعمان بن منذر حیرہ کا بادشاہ ہوا تو کسریٰ کسی وجہ سے ناراض ہو گیا۔ اور اس کو اپنے دربار میں طلب کیا وہ خوف زدہ ہو کر عربی قبائل میں پناہ ڈھونڈھتا پھرتا تھا۔ آخر میں قبیلہ بنی شیبان کے رئیس ہانی بن مسعود کے پاس پہنچا۔

ہانی بڑا نامور سردار تھا خود کسریٰ نے بھی اس کو جاگیر دے رکھی تھی نعمان نے سوچا کہ میں اس کے یہاں پناہ لوں گا تو عربی دستور کے مطابق انکار نہیں کرے گا۔ لیکن مصیبت میں گرفتار ہو جائے گا اس لئے اپنے مال اور اولاد کو اس کی حفاظت میں چھوڑ کر خود مدائن کی طرف روانہ ہوا کہ دربار میں حاضر ہو جائے۔

کسریٰ نے اس کو قید کر دیا اور اس کی بجائے ایاس بن قبیصہ کو جو بنی طے کا رئیس تھا حیرہ کا فرماں روا بنا کر بھیجا اور حکم دیا کہ ہانی سے نعمان کے مال اور اولاد کو لے کر دربار میں بھیج دے۔ ہانی نے اس امانت کے دینے سے انکار کیا۔ کسریٰ نے ایرانی سرداروں کی ماتحتی میں فوجیں بھیج کر ایاس کو حکم دیا کہ ہانی پر لشکر کشی کرے۔ قبیلہ شیبان نے نے بھی اپنے ننگ و ناموس کے خیال سے بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا اور ایک ہولناک جنگ کے بعد ایرانیوں کو سخت شکست دی یہ پہلی فتح تھی جو عربوں کو ایرانیوں پر حاصل ہوئی لیکن

اس واقعہ سے چند ماہ پیشتر آں حضرتؐ کی بعثت ہو چکی تھی۔
ایاس کے بعد کسریٰ نے حیرہ میں بھی یمن کی طرح ایک ایرانی والی مقرر کر دیا لیکن ۶۳۲ء میں آل لخم میں سے منذر نے جس کا لقب مغرور ہے پھر حیرہ کی حکومت حاصل کر لی مگر اس کے آٹھ ہی مہینے کے بعد حضرت خالد ابن ولیدؓ لشکر لئے ہوئے اس طرف آئے اور اس کو اسلامی فتوحات کے رقبے میں شامل کر لیا۔

ملوک شام

قضاعہ کے چند قبیلے اردشیر شاہ ایران کے دست برد کی وجہ سے عراق سے نکل کر شام کے ملک میں چلے گئے۔ وہاں سکندر کی فتح کے بعد سے رومیوں کی حکومت قائم تھی۔ انھوں نے ان کو بسا کر انھیں میں سے ایک سردار ان کی حکومت کے لئے مقرر کر دیا تاکہ یہ بادیہ نشین عربوں کے حملوں کو روکیں اور نیز ایرانیوں کے مقابلے میں کام دے سکیں۔ یہ سردار ملوک کہے جاتے تھے۔
کچھ دنوں کے بعد غسانی قبیلہ نے وہاں پہنچ کر بنی قضاعہ کو مغلوب کر لیا۔ رومی سلطنت کی طرف سے بنی غسان کا سردار جفنہ بن عمرو بادشاہ تسلیم کر لیا گیا، تمام عربی قبائل جو حدود شام میں آباد تھے اس کے ماتحت ہو گئے۔
بنی جفنہ نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا۔ ان کی حکومت کا سلسلہ برابر قائم رہا یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں یرموک کی جنگ کے بعد ۱۳ھ میں اس خاندان کا آخری بادشاہ جبلہ بن الایہم اسلام لایا۔
بنی جفنہ میں رومیوں کے اثر سے تمدن آ گیا تھا۔ انھوں نے شام میں بڑے بڑے محلات اور کنیسے تعمیر کئے تھے۔ رومیوں کے ساتھ مل کر ایرانیوں پر متعدد فتوحات حاصل کی تھیں ان میں اور ملوکِ حیرہ میں جو شاہانِ ایران کے زیر اثر تھے بارہا خوں ریز لڑائیاں ہوئیں۔

امارت حجاز

ابتدا رمیں مکہ کے رئیس جرہم تھے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام خانۂ کعبہ کی تعمیر کرکے اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ کو وہاں چھوڑ گئے تو انھوں نے قبیلہ جرہم میں اپنی شادی کی ان کی اولاد خانۂ کعبہ کی مجاور ہونے کی حیثیت سے عزت واحترام کے ساتھ دیکھی جاتی تھی لیکن مکہ کی ریاست اور حکومت میں اُن کا کوئی حصہ نہ تھا۔

سیلاب کے بعد یمن سے جب حارثہ بن عمرو جس کا لقب خزاعہ تھا اپنا قبیلہ لئے ہوئے مکہ میں آیا اور یہاں کے باشندوں کو نکال دیا تو یہ لوگ نجد، عراق اور بحرین وغیرہ مقامات میں جا بسے اور مکہ اور اُس کے اطراف میں اسمٰعیلی عربوں میں سے صرف قریش کی اولاد رہ گئی جو منتشر اور مغلوب تھی۔

جب اس خاندان میں قصی بن کلاب پیدا ہوئے تو انھوں نے ان قبائل کو متحد کرکے اپنی قوت اور شوکت بڑھائی۔ بنی خزاعہ سے مکہ کی ریاست چھین لی اور خانہ کعبہ کے بھی متولی ہوگئے۔

یہ تاریخ کا ایک شاعرانہ واقعہ ہے کہ قصی بن کلاب نے خانہ کعبہ کی تولیت اس کے متولی ابی غبشان خزاعی سے ایک مشک شراب پر خریدی تھی۔

چونکہ کعبہ دینی مرکز تھا اور اہل عرب ہر سال وہاں حج کے لئے آتے تھے، اس وجہ سے قصی کی سیادت دینی تمام عرب پر قائم ہوگئی انھوں نے مکہ میں دارالندوہ بنایا جس میں قریش جمع ہوکر مشورہ کرتے تھے۔ اس کی وجہ سے ان میں اور بھی باہم اتحاد واتفاق بڑھ گیا۔

قصی کو مندرجہ ذیل اسباب شرف حاصل ہوئے۔

(۱) دارالندوہ کی صدارت۔ جس میں تمام بڑے بڑے امور کا تصفیہ ہوتا تھا۔ نیز قریش کی بیٹیاں وہیں بیاہی جاتی تھیں۔

(۲) لوا - یعنی جنگ کے لئے جھنڈا عطا کرنا۔

(۳) تولیت کعبہ یعنی اس کی حفاظت اور خدمت اسی کو حجابت کعبہ کہتے ہیں۔

(۴) سقایتہ یعنی جب حج کے موسم میں اہل عرب آئیں تو ان کے لئے پانی کے حوض بھروانا۔ یہ حوض چمڑے کے بنائے جاتے تھے اور ان میں کھجور وغیرہ کوئی میٹھی چیز بھی ڈال دی جاتی تھی

(۵) رفادہ یعنی حاجیوں کی ضیافت کے لئے کھانا پکوانا اور ان کو کھلانا۔

قبائل قریش ان امور اور اخراجات میں ان کی امداد کرتے تھے۔

قصی کے بیٹے عبد مناف اپنے باپ کی زندگی ہی میں ان فرائض کو ادا کرنے لگے تھے قصی کی یہ خواہش ہوئی کہ اپنے بیٹے عبد الدار کو بھی اس شرف سے محروم نہ کریں۔ چنانچہ اپنے بعد اُن کے لئے وصیت کر گئے۔ عبد مناف نے باپ کی وصیت اور نیز بڑے بھائی کے احترام کی وجہ سے کوئی مخالفت نہیں کی۔

عبد مناف کے بعد اُن کے بیٹوں نے بنی عبد الدار کا ان حقوق میں مقابلہ کیا۔ جس کی وجہ سے قریش کے دو فریق ہو گئے۔ قریب تھا کہ باہم جنگ ہو جائے لیکن انھوں نے کعبہ کی خدمات کو آپس میں تقسیم کر کے مصالحت کر لی۔

تولیت کعبہ، لوا اور دار الندوہ بنی عبد الدار کے حصے میں آئے اور سقایت اور رفادہ بن عبد مناف کے۔ پھر عبد مناف کے چاروں بیٹوں نے باہم قرعہ اندازی کی، اس میں ہاشم کا نام آیا وہی سقایتہ اور رفادہ کی خدمتوں کو انجام دینے لگے۔

کچھ دنوں کے بعد ہاشم کے بھتیجے اُمیّہ بن عبد شمس نے جو کثرت مال و اولاد کی وجہ سے ممتاز تھے ان خدمتوں کو اُن سے لینے کی کوشش کی جس کی وجہ سے دونوں گھروں میں باہمی نزاع پیدا ہو گئی۔ لیکن یہ رقابت اس قسم کی تھی جیسی اکثر بڑے گھرانوں میں ہو جایا کرتی ہے۔ لڑائی تک معاملہ کبھی نہیں پہنچا کیونکہ قریش

حرم کے باشندے تھے جو تمام عرب کے نزدیک جان و مال کے لئے مامن و ملجا تھا اس میں خونریزی اور لڑائی حرام تھی۔ اگر قریش آپس میں لڑتے تو اپنی سیادت کے ساتھ حرم کی عظمت کو بھی کھو بیٹھتے اور پھر دوسرے قبائل بھی ان پر حملہ کرنے میں دریغ نہ کرتے اسی وجہ سے وہ اپنے جھگڑوں کو دار الندوہ میں مصالحت کے ساتھ طے کر لیتے تھے اور جنگ کو حرم کی اور خود اپنی شان کے منافی سمجھتے تھے۔

حکومت قبائل

نجد کے قرب و جوار کے قبائل ملوک حیرہ کے تابع تھے اور شام کے متصل بادیۂ عرب کے باشندے آل جفنہ کے زیر حکومت تھے۔ لیکن یہ حکومت محض نام کی تھی اس لئے کہ عرب کسی ایسی حکومت کو مطلق برداشت نہیں کر سکتے جو ان کی حریت میں خلل انداز ہو بادیہ نشین قبیلوں کے سردار خود انھیں میں سے ہوتے تھے، شجاعت کرم، حلم اور تمول یہ صفات جس شخص میں پائے جاتے تھے اور مزید برآں اس کے حامیوں کی تعداد بھی زیادہ ہوتی تھی وہ سردار ہو جاتا تھا اہل قبیلہ اس کے اشاروں پر چلتے تھے اور جہاں جہاں وہ جاتا تھا اس کے ساتھ سفر کرتے تھے۔ اسی کے حکم سے لڑائی اور اسی کی رائے سے صلح ہوتی تھی، مال غنیمت میں سے وہ اپنی سرداری کا حق لیتا تھا اور اس سے قبیلے کی مشترک ضروریات کا سامان کرتا تھا۔ کسی گھر میں جب باپ بیٹا اور پوتا تینوں متواتر رئیس ہو جاتے تھے تو وہ گھر شرف میں ممتاز سمجھا جاتا تھا۔

قوی قبیلے کم زور قبیلوں کو کبھی کبھی مغلوب کر کے ان سے سالانہ خراج بھی لیا کرتے تھے۔ گو یہ رؤسا رتاجدار نہیں ہوتے تھے لیکن اپنے اپنے قبیلوں میں ان کا درجہ بمنزلہ بادشاہ کے ہوتا تھا۔ جس وقت بگڑ جاتے تھے تو سارے قبیلے کی تلواریں میانوں سے باہر نکل آتی تھیں اور کوئی یہ نہیں پوچھتا تھا کہ وہ کس بات پر بگڑا ہے۔

قبائل کے ممتاز افراد میں چونکہ سرداری کے لئے باہم رقابت رہتی تھی اس وجہ سے

یہ رؤسا، کرم، مہمان نوازی اور قبیلہ کی حمایت میں بہت کوشش کرتے تھے تاکہ شعرا ان کی مدح کرکے ملک میں ان کا نام روشن کریں کیونکہ عرب کے دلوں پر شعر جادو کا اثر رکھتا تھا اکثر ایک قصیدہ بلکہ ایک شعر کسی رئیس کو ملک میں نیک نام یا بدنام کردینے کے لئے کافی ہوتا تھا

مجامع

زمانہ جاہلیت میں اہل عرب کا مختلف مقامات پر اجتماع ہوا کرتا تھا جہاں خرید فروخت کی گرم بازاری رہتی تھی اور اسی کے ساتھ شعر خوانی کا بھی چرچا رہتا تھا۔ اس اجتماع کی غرض سے رجب ذیقعدہ۔ ذی الحجہ اور محرم ان چاروں مہینوں میں باہمی جنگ و غارت حرام کردیا تھا

پہلا مجمع دومۃ الجندل میں ہوتا تھا۔ وہاں سے ہجر میں جاتا تھا پھر عمان میں اسکے بعد حضرموت میں پھر صنعاء یمن میں پہنچتا تھا، کہیں ایک ہفتہ اور کہیں دو ہفتہ قیام رہتا تھا۔

ذیقعدہ میں سب سے بڑا اجتماع بازار عکاظ میں ہوتا تھا جو مکہ سے چند میل کے فاصلے پر ہے یہاں بیس دن تک میلہ لگا رہتا تھا، اس کے بعد آخر ذیقعدہ میں بازار مجنۃ میں پھر آٹھویں ذی الحجہ تک ذو مجاز میں جو عرفہ کے قریب ہی مجمع رہتا تھا۔ ۹ ذی الحجہ کو میدان عرفات میں حج کے لئے جمع ہوتے تھے۔

ان بازاروں میں خاص کر عکاظ میں عرب کے تمام قبائل کے لوگ آتے تھے یہاں اُن کے اکثر امور بھی طے ہوتے تھے، مثلاً قبیلوں کے باہمی خون کے مقدمے سرداروں کے جھگڑے وغیرہ

قریش چونکہ حرم کے متولی تھے اس لئے ان کو تمام عربی قبائل پر عظمت اور برتری حاصل تھی، ہر ہر قبیلے کے شعرا بھی یہاں جمع ہوتے تھے، وہ اپنی بہادری فیاضی اور باپ دادا کے کارناموں کے فخریہ قصائد یا مرثیے وغیرہ سناتے تھے جو لوگ خطیب ہوتے تھے وہ تقریر کرتے تھے یہاں ہر ایک شاعر و خطیب کا درجہ مقرر کردیا جاتا تھا یہ بازار گویا اہل عرب کی لیاقت کے امتحان کا مقام تھا جو جس قابل ہوتا تسلیم کرلیا جاتا اور تمام ملک میں اس کی شہرت ہوجاتی۔

عرب کے قومی اخلاق

قومی اخلاق سے مراد وہ خصائل ہیں جو کسی قوم کے اکثر افراد میں ہوں، یا جن کو اس قوم کے لوگ بالعموم پسند کرتے ہوں۔

کرم و مہمان نوازی

عربی اخلاق میں یہ وصف نمایاں تر ہے اور ان کے اشعار کا زیادہ حصہ اسی کی مدح وثنا سے پر ہے۔ ایک فقیر مصیبت زدہ اور فاقہ کش عرب کے پاس صرف ایک ہی اونٹنی ہوتی تھی جس سے اُس کی اور اُس کے اہل وعیال کی روزی چلتی تھی جب اس کے یہاں کوئی مہمان آجاتا تھا تو وہ بھی بلا پس وپیش اپنی اسی ذریعہ حیات اونٹنی کو ذبح کرکے اس کی ضیافت کر دیتا تھا۔

امرار اور رؤسار ادنیٰ ادنیٰ طلب پر اونٹوں کے گلّے کے گلّے بخش دیتے تھے اور اس بخشش کو اپنے دستار فخر کا طرّہ سمجھتے تھے۔

یہی وجہ تھی کہ اس ملک میں حاتم جیسے نامور سخی پیدا ہوئے۔

وفار عہد

عہد وپیمان کی پابندی کو اہل عرب فرض سمجھتے تھے اور جان، مال اور اولاد سب کو اس پر قربان کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتے تھے اوپر گذر چکا ہے کہ ہانی بن مسعود نے نعمان بن منذر کے مال واولاد کو جو اس کی امانت میں تھے باوجود کسریٰ کے حکم کے واپس دینے سے انکار کر دیا اور بلا اندیشۂ انجام ایران سے جو اس وقت دنیا کی سب سے زبردست سلطنت تھی لڑ بیٹھے۔

سموال بن عادیا بھی وفار عہد میں ضرب المثل ہے اس کا واقعہ یہ ہے کہ عرب کے

مشہور شاعر امرا القیس نے اپنی تلواریں اور زرہیں امانتاً اس کے پاس رکھی تھیں حارث غسانی نے سموال سے ان کو طلب کیا اُس نے امانت داری کے خلاف سمجھ کر انکار کردیا۔ آخر حارث ایک جرار لشکر لے کر چڑھ آیا۔ سموال میں مقابلے کی طاقت نہ تھی اس لیئے وہ اپنے قلعے میں محصور ہوگیا۔

دوران محاصرہ میں حارث نے اتفاقاً اُس کے بیٹے کو قلعہ کے باہر پکڑ لیا۔ سموال کو پکارا وہ برج پر آیا اُس سے کہا کہ اگر تم امرا القیس کی امانت میرے حوالے کردو تو میں تمھارے بیٹے کو چھوڑ دوں ورنہ قتل کردوں گا۔ اس نے بیٹے کا قتل ہوجانا گوارا کیا، لیکن بدعہدی نہیں جائز رکھی۔

الغرض وفاشعاری اور پابندی عہد ان کا شیوۂ عام تھا اور بے وفائی کے داغ اور بدعہدی کی بدنامی سے وہ بہت ڈرتے تھے۔ اسی لئے جس قیمت پر ممکن ہوتا تھا وفاداری کو خریدتے تھے۔

اگر اتفاقاً پاس عہد میں کسی سے لغزش ہوجاتی تھی تو آتش زبان شعرا اپنی شرر افشانیوں سے اس کو جہنم کی آگ میں بھون دیتے تھے۔ پھر وہ عرب میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتا تھا۔

یہی سبب تھا کہ وہ جن کو پناہ دیتے تھے ان کا بہت خیال رکھتے تھے اور اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے بھی ان کو مقدم سمجھتے تھے۔ چنانچہ یمامہ کے سردار عمیر بن سلمٰی کے یہاں بنی کلاب کے ایک شخص نے مع اپنے بھائی کے پناہ لی۔ اتفاق سے اس شخص کے بھائی اور عمیر کے بھائی قرین میں کچھ جھگڑا ہوگیا۔ قرین نے اس کو قتل کردیا۔ عمیر اس وقت باہر تھا جب مکان پر آیا اور اس کو علم ہوا تو اس نے کوشش کی کہ کلابی اپنے بھائی کا خوں بہا لے لے۔ یمامہ کے اور سرداروں نے بھی اس کو سمجھایا لیکن وہ مال لینے پر رضامند نہیں ہوا۔ قصاص کا خواہاں تھا عمیر کی ماں نے کہا کہ

قرین کی جس قدر ملکیت ہے سب لے لے اور اس کی جان بخشی کردے لیکن اُس نے نہیں مانا۔ مجبوراً عمیر نے قرین کا ہاتھ پکڑا اور کلابی کو ساتھ لے کر وادی کے دوسرے کنارے پر پہنچا۔ وہاں اپنے بھائی کو ایک کھجور کے درخت سے باندھ دیا اور کلابی سے کہا کہ جب سوائے قصاص کے تم کسی چیز پر راضی نہیں ہوتے ہو تو اس کو قتل کرو مگر اتنی مہلت دو کہ میں اس وادی سے نکل جاؤں اور آج سے تم میری پناہ میں نہیں ہو، یہ کہہ کر وہ چلا آیا اور کلابی قرین کو قتل کر کے اپنے قبیلے میں جا ملا۔

حلیفوں کے ساتھ ان کی وفا، عہد کا یہ عالم تھا کہ عزت اور شرف ہر چیز میں ان کو اپنے برابر رکھتے تھے۔ قریش جو اپنے آپ کو عرب کے تمام قبائل میں شریف تر سمجھتے تھے اور غیروں کو بیٹیاں نہیں دیتے تھے وہ بھی ان قبائل میں جو ان کے حلیف ہو جاتے تھے، بے تکلف شادیاں کرتے تھے اور اپنی بیٹیاں بیاہتے تھے۔

شجاعت

بہادری عرب کا وصف عام تھا۔ کرم اور مہمان نوازی سے بھی زیادہ ان کے اشعار میں اس کا ذکر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کرم کا ظہور زیادہ تر مالداروں سے ہوتا ہے۔ اور شجاعت کا اظہار ہر فرد کر سکتا ہے چنانچہ ان میں بہت سے نامور بہادر اور شجاع گذرے ہیں ان کی شجاعت تہور کی حد تک پہنچ گئی تھی۔ لڑائی کے لئے صرف ایک آواز پر تیار ہو جاتے تھے اور بلا انجام سوچے ہوئے سخت سے سخت مہموں پر پیش قدمی کر گذرتے تھے۔ میدان میں تلوار کی دھار پر جان دینے کو شرافت سمجھتے تھے اور بستر پر ناک رگڑ کے مرنا ان کے نزدیک گالی تھی۔ اس جرأت و دلیری کی وجہ سے ان میں سفاکی غالب تھی اور حلم کی صفت سوائے رؤسا اور اشراف قبائل کے کمتر لوگوں میں پائی جاتی تھی۔

ان اخلاق کے علاوہ اور بھی بعض بعض اوصاف ہیں جن کی وصیت ان کے اشعار میں ملتی ہے۔ لیکن ہم ان کو جمہور کے اخلاق میں شامل نہیں کر سکتے بلکہ وہ پند و حکمت کی

باتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود جہالت اور بدویت کے بھی ان میں بعض حکیمانہ طبیعتیں موجود تھیں۔

ان میں چند جاہلانہ عادتیں بھی تھیں ان کا ذکر بھی کر دینا ضروری ہے

قمار بازی

اس عادت کو اہل عرب کرم کا ایک جزو سمجھتے تھے، کیونکہ جوئے میں جو کچھ جیتتے تھے اس کو فقرا اور مساکین کو کھلاتے تھے، اسی لئے اشعار میں اپنی اس عادت کی مدح کرتے تھے۔ یہ عیب زیادہ تر دولت مندوں میں تھا۔

شراب خوری

اس عادت کو بھی وہ تمغۂ شرافت جانتے تھے اور اس میں جو کچھ صرف کرتے تھے اس کو کرم شمار کرتے تھے اُن کے اشعار میں فخر کے ساتھ اس کا ذکر پایا جاتا ہے۔

قرآن نے ان دونوں چیزوں کو باہمی دشمنی اور عداوت کا سبب اور شیطانی کام قرار دیا اور حرام بتایا۔

ان کے علاوہ اور بھی ان میں چند عادتیں تھیں جن کا بیان آئندہ ان کی دینی رسموں کے ذیل میں کیا جائے گا۔

عربی زبان

ملک شام اور عرب میں بسنے والی قومیں حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کی اولاد تھیں اس لئے ان کی زبانیں سامی کہی جاتی ہیں کیونکہ یہ لوگ مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے تھے، اس وجہ سے ان کے لب و لہجہ بھی باہم مختلف ہو گئے اور قبیلہ اور مقام کی خصوصیت کے لحاظ سے سامی زبان کی کئی قسمیں ہو گئیں اور ان کے مختلف نام رکھے گئے مثلاً عرب میں جو لوگ رہے ان کی زبان عربی۔ اور سریا یعنی شام والوں کی زبان

سریانی کہلائی۔ بنی عابر کی زبان نے عبرانی اور ارم کی اولاد کی زبان نے ارامی کا لقب پایا۔ اسی طرح نبطی قبیلہ کی زبان نبطی۔ اور کلدانیوں کی کلدانی مشہور ہوئی۔

الغرض عربی زبان سامی زبان کی ایک شاخ ہے اور اہل عرب ہمیشہ سے اسی زبان کو بولتے چلے آتے ہیں۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جن کی زبان عبرانی تھی جب مکہ میں آئے تو انھوں نے بھی جرہم میں رہ کر اسی زبان کو اختیار کر لیا اور ان کی اولاد بھی زبان بولنے لگی۔ اسی لئے یہ لوگ عرب مستعربہ کہے جاتے ہیں۔

عربوں میں زبان کو وسعت دینے کے تین طریقے تھے ایک تو یہ کہ کوئی نئی چیز دیکھتے تھے تو اُس کے لئے نیا لفظ وضع کر لیتے تھے۔ دوسرا یہ کہ اس کی ہم جنس اور مشابہ چیزوں کے لئے جو لفظ مستعمل ہوتا تھا اسی کو مجازاً اس کے لئے بھی استعمال کر لیتے تھے۔ تیسرا یہ کہ دوسری زبان کے الفاظ کو معرب بنا لیتے تھے۔

چونکہ وہ ایران اور افریقہ وغیرہ کے بازاروں میں تجارت کے لئے آمد و رفت رکھتے تھے اس لئے بہت سے غیر زبانوں کے الفاظ جن کا بدل عربی میں نہیں ملتا تھا اپنی زبان میں شامل کر لیتے تھے۔ شعراء جب ان الفاظ کو اشعار میں استعمال کر لیتے تھے تو پھر وہ تمام ملک میں مقبول ہو جاتے تھے کیونکہ عرب میں اس زمانے میں شعر کا وہی درجہ تھا جو آج کل اخباروں کا ہے۔

ان طریقوں سے عربی زبان نہایت وسیع ہو گئی۔ گوناگوں اسلوب سے اس میں خیالات ادا کئے جانے لگے۔ ظہورِ اسلام کے قریب بڑے بڑے اہلِ کمال شعراء کے علاوہ نہایت زبان آور فصیح و بلیغ خطیب بھی عرب میں موجود تھے مثلاً قس بن ساعدہ سحبان وائل اور اکثم بن صیفی وغیرہ۔

قریش میں اگرچہ کوئی ممتاز شاعر نہ تھا لیکن چونکہ وہ زبان کی فصاحت کی

دارت خاص طور پر توجہ رکھتے تھے اس لئے اُن کی زبان دوسرے قبیلوں سے بہتر تھی اور تمام عرب میں مستند مانی جاتی تھی۔

علوم عرب

علوم تمدن کے دوش بدوش چلتے ہیں۔ چونکہ اسلام سے قبل بالعموم عربوں پر بدویت غالب تھی اور ان کی ضروریات بہت کم تھیں اس وجہ سے علم و صنعت و حرفت کے وہ زیادہ محتاج نہ تھے تاہم ان میں جو علوم تھے ان کا بیان کر دینا ضروری ہے۔

کتابت

یمن میں چونکہ حمیری سلطنت قائم تھی اور وہاں کے لوگ حبشہ وغیرہ دوسرے ممالک سے تجارت بھی کرتے تھے اس لئے ان میں لکھنے کا رواج تھا۔ یمنی خط کو مسند کہتے تھے عراق میں جب ملوک حیرہ کی سلطنت قائم ہوئی تو یہاں کے لوگوں نے بھی اہل یمن سے کتابت سیکھی۔

مکہ کے باشندوں میں حرب بن اُمیہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے ایک رشتہ دار سے جو حیرہ میں رہتا تھا لکھنا سیکھا۔ پھر اُن سے قریش کے دوسرے لوگوں نے اخذ کیا۔ آغاز اسلام میں سارے حجاز میں کل سترہ آدمی لکھنا جانتے تھے۔

عدم کتابت کی وجہ سے عربوں کو زیادہ تر اپنی قوت حافظہ پر بھروسا رکھنا پڑتا تھا۔ اسی وجہ سے ان کا حافظہ بے نظیر ہو گیا تھا۔ شعراء بڑے بڑے قصیدے پڑھتے تھے اور لوگ ان کو سُن کر بے تکلف برزبان یاد کر لیتے تھے۔ بعض بعض مشہور قصیدے یاد رکھنے کے لئے نہیں بلکہ تعظیم کے خیال سے لکھ کر خانہ کعبہ میں لٹکا دئے جاتے تھے۔

الغرض تمام عرب اور خاص کر حجاز میں کتابت اس قدر کم تھی کہ وہاں کے باشندوں کو بالعموم اُمّی یعنی ناخواندہ قوم کہہ سکتے تھے چنانچہ اسی لفظ کے ساتھ اُن کو قرآن نے

مخاطب کیا ہے۔

شاعری

اگرچہ اسلام سے دو سو برس پہلے کے عربی اشعار بہت کم ملتے ہیں لیکن
ہے کہ عربوں میں شعر گوئی کا رواج قدیم زمانے سے تھا اور شاعری ان کی فطرت
داخل تھی تمام ملک میں اس کا اس قدر چرچا تھا کہ جو لوگ اس سے دلچسپی
لیتے تھے۔ ان میں یہ ایک نقص سمجھا جاتا تھا۔ مردوں کے علاوہ تاریخ عرب
اور لیلیٰ وغیرہ متعدد عورتوں کے بھی نام ملتے ہیں جنھوں نے شعر گوئی میں
حاصل کی۔

اہل قبیلہ اپنے شعراء کی شہسواروں اور بہادروں سے بھی زیادہ قدر کرتے
جب کسی قبیلے میں کوئی اچھا شاعر پیدا ہو جاتا تھا تو دوسرے قبائل کے لوگ آکر اس کو
دیتے تھے اور اس خوشی میں دعوتیں دی جاتی تھیں۔ جن میں عورتیں اور بچے بھی
جشن مناتے تھے کہ اب ہمارے قبیلے کی عزت اور آبرو کا نگہبان رہے گا اور نسب
باپ اور دادا کے مفاخر اور قبیلے کے کارناموں کا زندہ رکھنے والا پیدا ہو گیا

حقیقت یہ ہے کہ ہم کو عرب جاہلیت کے جس قدر حالات، عادات اور
وغیرہ معلوم ہوئے ہیں ان سب کا پتہ اُن کے اشعار ہی کے ذریعہ سے لگا ہے اگرچہ
اس کے ان کے تمام اشعار ہم تک نہیں پہنچے لیکن پھر بھی ضخیم مجموعے ان سے بھرے پڑے ہیں

نجوم

بدوی چونکہ اپنی زندگی بیابانوں میں گزارتے تھے اس لئے ستاروں کی
رفتار اور اُن کے مواقع سے آشنا ہو گئے تھے۔ نیز موسمی ہواؤں سے بارش
کا پتہ لگا لیتے تھے بارھوں بُرج اور قمر کی منزلوں سے بھی واقف تھے اُنھوں نے دورہ
کو ۲۸ منزلوں میں اس حساب سے تقسیم کر رکھا تھا کہ ایک رات میں وہ ایک منزل

کرتا ہے جب اُس کے پورے تیرہ دورے ہو جاتے تھے تو اس کو سن شمسی قرار دیتے تھے۔

طب

شہروں میں بعض بعض لوگ اس قسم کے تھے جو بیماریوں کا علاج معمولی طریق پر کر لیتے تھے۔ بدوی بھی بعض بعض دواؤں سے واقف تھے۔ خاص کر اونٹوں کا علاج خوب کرتے تھے۔ ان کے نزدیک سب سے بڑا علاج آگ سے داغ دینا ہے۔

قیافہ

اس فن کی دو قسمیں ہیں ایک تو نقش قدم سے جانے والے کا پتہ لگانا۔ دوسرے جسم کے اعضاء اور ان کی ساخت سے یہ دریافت کرنا کہ یہ فلاں شخص کی اولاد میں سے ہے ان دونوں میں عربوں کو بڑی مہارت تھی۔

پہلی قسم یعنی نقش قدم سے ریگستانی ملکوں میں مجرموں اور دشمنوں کا پتہ لگانے میں بہت آسانی ہوتی ہے۔ اور اب تک عرب افریقہ اور نیز دوسرے ریگستانی ملکوں میں اس فن سے بہت کام لیا جاتا ہے۔

دوسری قسم کو بھی شریعت اسلامیہ نے لغو نہیں قرار دیا بلکہ صحت نسب کے ثبوت میں اس کا اعتبار کیا ہے۔

صنعت

پوشش کے لئے عورتیں عام طور پر اون کاتتی تھیں اور شہری باشندے ان کو بن کر چادر، کمبل اور خیمہ وغیرہ تیار کرتے تھے۔ یمن میں یہ صنعت زیادہ تھی اور وہاں کی چادریں عرب میں خاص طور پر شہرت رکھتی تھیں۔

نیز دائمی جنگ کی وجہ سے آلات حرب کی بھی ان کو ضرورت رہتی تھی اس لئے بعض بعض مقامات میں لوگ ان کو تیار کرتے تھے بحرین کے متصل مقام خط میں نیزہ بہت اچھا بنتا تھا اور ابلہ میں جو نواحی عراق میں تھا تلوار عمدہ تیار ہوتی تھی۔ اسی کو عرب سیف ہندنی کہتے تھے۔

ادیان عرب

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے اثر سے اہل عرب نے دین ابراہیمی کو اختیار کیا تھا وہ اس کو دین حنیفی کہتے تھے اور صرف اللہ کی پوجا کرتے تھے۔ خانہ کعبہ کو جو دنیا میں سب سے پہلی مسجد ہے اور اکیلے اللہ کی عبادت کے لیے تعمیر کیا گیا ہے مقدس اور محترم سمجھتے تھے اور اس کا طواف کرتے تھے۔

لیکن جب بنی عدنان مکہ چھوڑ کر مختلف مقامات میں پھیلے تو برکت کی غرض سے کعبہ کا ایک پتھر بھی اپنے ساتھ لیتے گئے اور اس کی تعظیم کرنے لگے اس کا اثر یہ ہوا کہ ان کے بعد ان کی اولاد کے دلوں میں یہ عقیدہ پیدا ہوگیا کہ پتھر بھی معبود اعظم کے تقرب کا ذریعہ ہو سکتے ہیں اس طرح پر ان میں شرک رائج ہوگیا۔

مشرکین

عمرو بن لحی خزاعی جو کعبہ کا متولی تھا جب ملک شام میں گیا تو دیکھا کہ وہاں لوگ بتوں کی پرستش کرتے ہیں اس نے وہاں سے چند مورتیں لا کر خانہ کعبہ میں رکھ دیں۔ عرب ان بتوں کی تعظیم کرنے لگے یہاں تک کہ وہ خود بُت بنانے لگے۔

بنی ہذیل نے مقام ینبع کے قریب ایک بت بنایا جس کا نام **سُواع** رکھا وہاں کے آس پاس کے مصری قبائل اس کو پوجنے لگے۔

بنی مذحج اور اہل جرش نے اپنے بت کا نام **یغوث** اور بنی خیوان نے **یعوق** رکھا۔ اُن کو اہل یمن اپنا دیوتا سمجھتے تھے حمیر نے **نسر** کا بت تراشا اور جب تک وہ یہودی نہ ہوئے برابر اس کی عبادت کرتے رہے۔

مقام عدرہ میں **وُد** ایک نہایت قوی ہیکل انسان کی شکل کا بت بنایا گیا جس کے جسم پر ایک تہبند تھا، اوپر چادر لپٹی ہوئی، بازو میں کمان اور کم

میں تلوار اور ہاتھ میں نیزہ تھا جس پر پرچم لہرا رہا تھا یہ غالباً جنگ کے دیوتا کی مورت تھی۔

یہ پانچوں بت روایات کی بنیاد پر بنائے گئے تھے۔ کیونکہ ان کا وجود قدیم زمانے میں بھی تھا۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں اللہ تعالیٰ نے ان پانچوں بتوں کا نام لیا ہے کہ باوجود نصائح کے مشرکین ان کی پرستش سے باز نہیں آتے تھے۔

مکہ اور مدینے کے درمیان قدید میں سمندر کے کنارے پر ایک بت مُنات تھا اہل عرب اس کو پوجتے تھے اور اس پر ذبیحے چڑھاتے تھے۔ خاص کر مدینہ کے قبائل اوس و خزرج۔

طائف میں لات کی پرستش ہوتی تھی۔ لیکن یہ بت نہیں تھا بلکہ پتھر کی ایک چٹان تھی جو غالباً کسی پرانے بت خانے کی یادگار تھی۔

مکہ اور عراق کے مابین نخلہ شامیہ کی وادی میں ایک بت خانہ تھا جس میں قریش کا بڑا بت عزّیٰ تھا۔

الغرض شرک عام طور پر عربوں میں پھیلا ہوا تھا اور قبیلہ قبیلہ کا ایک ایک بُت تھا۔

خود کعبہ میں بہت سے بت تھے جن میں ھُبل سب سے ممتاز تھا۔ یہ انسان کی شکل کا تھا اور سُرخ عقیق سے بنایا گیا تھا۔ دایاں ہاتھ ٹوٹا ہوا تھا خزیمہ بن مدرکہ نے اسی شکل میں اس کو پایا اور لا کر خانہ کعبہ میں رکھ دیا۔ ٹوٹے ہوئے ہاتھ کے بجائے سونے کا ہاتھ بنوا کر لگایا گیا

عرب ان بتوں اور پتھروں کی تعظیم اور عبادت اس اعتقاد سے نہیں کرتے تھے کہ ان کو قادر مطلق سمجھتے ہوں بلکہ صرف اس خیال سے کہ یہ ان کو اللہ سے قریب کر دیں گے خالق رزاق جلانے والا۔ مارنے والا وہ اللہ کے ماسوا اور کسی کو نہیں سمجھتے تھے۔

یہ اصنام چونکہ عبادت کے لئے نصب کئے جاتے تھے اس لئے عرب ان کو انصاب

بھی کہتے تھے اور ان کے اوپر مختلف قسم کی نذریں بھی چڑھاتے تھے۔

بحیرہ۔ اونٹنی کے کان پھاڑ کر اس کو کسی بت کے ساتھ نامزد کرتے تھے پھر نہ اس پر سواری ہوتی تھی نہ اس کا اون تراشا جاتا تھا نہ سوائے فقیروں کے کوئی اس کا دودھ پیتا تھا۔

سائبہ۔ نذر مانتے تھے کہ بیماری سے شفا یا مصیبت سے نجات مل گئی تو بُت کے کے نام پر اونٹ چھوڑیں گے، کامیاب ہو جانے پر اس کو ادا کرتے تھے۔ اس اونٹ کو سائبہ کہتے تھے وہ جہاں چاہتا تھا چرتا تھا۔ اس سے کام نہیں لیا جاتا تھا۔

وصیلہ۔ جو بکری سات بار دو دو مادہ جنتی تھی، اور آٹھویں بار صرف ایک نر ہوتا تو بت کے نام پر ذبح کر دیتے تھے۔ اگر نر کے ساتھ کوئی مادہ بھی جنتی تھی تو عورتوں پر اس کا دودھ حرام ہو جاتا تھا۔ اور وہ نر بزغالہ بت کے نام چھوڑ دیا جاتا تھا۔

حام۔ وہ شتر نر جس کی چوتھی نسل پیدا ہو جائے بت کے نام پر آزاد کر دیا جاتا تھا اور اس سے کام نہیں لیا جاتا تھا۔ قرآن نے ان چاروں کو شرک قرار دے کر ممنوع فرمایا۔

عربوں کا یہ بھی دستور تھا کہ جب وہ کسی کام یا سفر کا ارادہ کرتے تھے تو بتوں کے مجاوروں کے پاس جا کر کہتے تھے کہ ہمارے لئے فال نکالو۔ وہاں بے پیکاں کے تیر ہوتے تھے جن کو ازلام کہتے تھے۔ ان میں سے کسی پر ہاں اور کسی پر نہیں لکھا ہوتا تھا۔ مجاور انھیں میں سے ایک تیر کھینچ لیتا تھا اور اسی کے مطابق کرو یا نہ کرو کا حکم دیتا تھا۔

خانہ کعبہ میں حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام کے جو بت بنائے گئے تھے ان کے ہاتھوں میں بھی اسی قسم کے تیر رکھے گئے تھے گویا وہ بھی فال نکال رہے ہیں۔

اللہ تعالے نے شراب و قمار کے ساتھ انصاب اور ازلام کو بھی ناپاک شیطانی فعل قرار دیا۔

باوجود ان بت پرستیوں کے اہل عرب کے دلوں میں جو عظمت کعبہ کی تھی وہ کسی دوسرے معبد کی نہ تھی۔ حرم کو وہ اس قدر مقدس سمجھتے تھے کہ جب حج کے لئے آتے تھے تو جو زاد راہ اپنے ساتھ لاتے تھے اس کو حدود حرم میں کھانا جائز نہیں سمجھتے تھے اس لئے قریش جو

اہل حرم تھے ان کو کھلاتے تھے اور نہ وہ اپنے کپڑے پہن کر طواف کرتے تھے اور اگر کر لیتے تھے تو پھر اُن کو کبھی چھوتے نہیں تھے۔ قریش اُن کے لئے لباس بھی مہیا کرتے تھے اور بہت سے برہنہ طواف کرتے تھے۔

یہود

مشرکین کے علاوہ ملک عرب میں چند یہودی قبائل بھی تھے۔

یہودیت کا آغاز یہاں اس طرح پر ہوا کہ شام میں جب بنی اسرائیل پر سختیاں ہوئیں تو اُن کے چند خاندان یثرب اور خیبر وغیرہ میں آکر آباد ہوئے ان کے اثر سے ان مقامات کے بھی کچھ لوگ ان کے دین میں داخل ہوگئے۔ یثرب کے دو یہودی یمن میں پہنچے۔ صنعاء کے بادشاہ یوسف ذو نواس نے اُن کے دین کو اختیار کر لیا اس وجہ سے وہاں کے بہت سے لوگوں نے ان کی پیروی کی۔

نصاریٰ

نصرانیت یمن کے مقام نجران سے شروع ہوئی پھر حیرہ کا بادشاہ نعمان بن منذر عیسائی ہوا اور وہاں کے بہت سے لوگ اس دین کے پیرو ہوگئے۔ طے کے قبائل نے بھی عیسائیت اختیار کرلی۔ غسانی عرب بھی جو رومی سلطنت کے زیر اثر تھے نصاریٰ تھے جزیرہ میں نمر اور تغلب کے بعض قبائل بھی عیسائی ہو گئے تھے۔

لیکن عرب در اصل نام کے یہودی یا عیسائی تھے ان مذاہب کی اصلی روح ان کے طبائع میں مطلق نہ تھی اور ہوتی بھی کس طرح اس واسطے کہ دین عیسوی جنگ سے انسان کو روکتا ہے اور عرب اس سے باز آنے والے نہ تھے۔ یہود کے نزدیک بت پرستوں کی ہر چیز ناپاک اور حرام ہے اور یہ دشمنوں کے مال غنیمت سے دستبردار نہیں ہو سکتے تھے۔

موحدین

عرب میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے کہ ان کو بت پرستی سے نفرت تھی ان کا خیال تھا کہ

قرب الٰہی کا حقیقی ذریعہ صرف دینِ ابراہیمی ہے لیکن اس کو لوگوں نے بھلا رکھا ہے بت یا پتھر جن میں نفع یا نقصان پہنچانے کی مطلق قدرت نہیں ہر گز ہم کو اللہ تک پہنچا سکتے ہیں۔

ان موحدین میں سے زید بن عمرو بن نفیل بہت مشہور ہیں وہ بتوں کی پرستش سے بیزار تھے اور سوائے اللہ کے کسی کو سجدہ نہیں کرتے تھے۔ خانۂ کعبہ میں بیٹھ کر قریش سے کہا کرتے تھے کہ سوائے میرے تم میں سے کوئی شخص دینِ ابراہیمی پر نہیں۔ گو ان کو اسلام نہیں نصیب ہوا۔ لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا کہ قیامت کے دن وہ اکیلے ایک امت کی بجائے اٹھائے جائیں گے

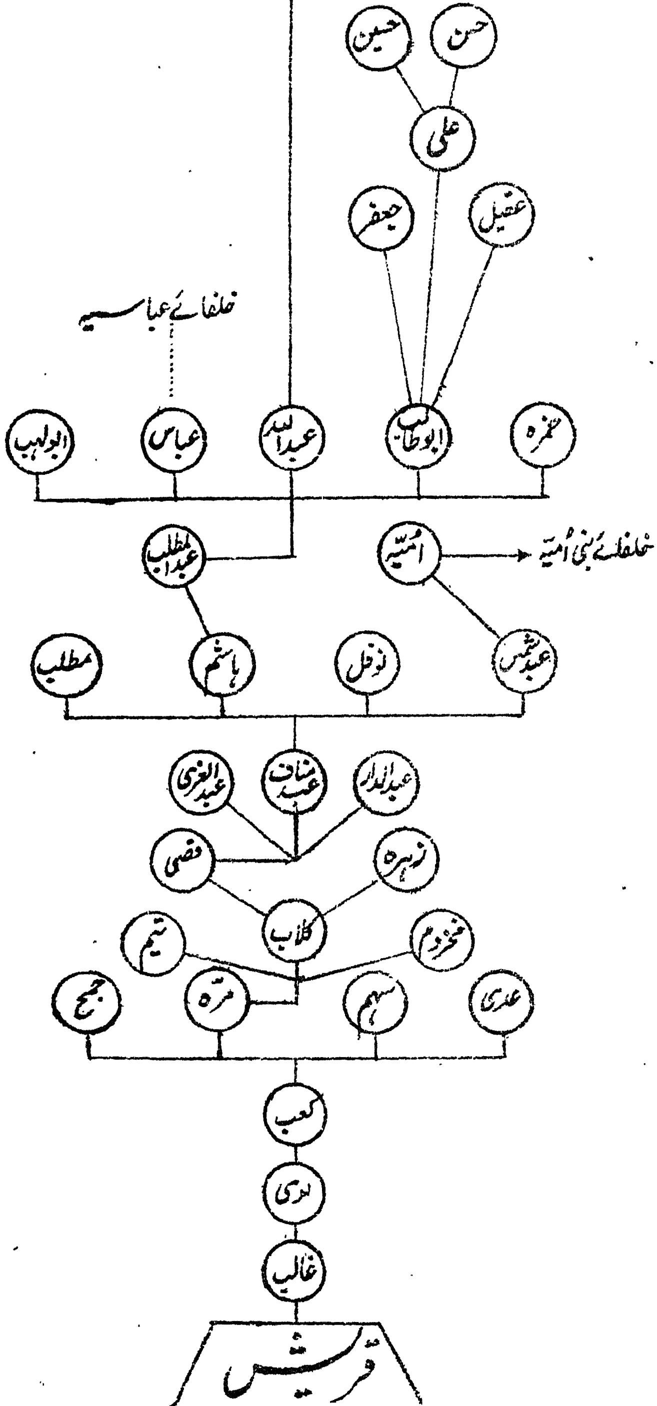
ورقہ بن نوفل بھی بت پرستی سے بیزار تھے۔ دینِ حق کی تلاش میں آسمانی کتابیں پڑھیں اور عیسائی ہو گئے۔

عبید اللہ بن جحش بھی موحد تھے، لیکن انھوں نے کسی مذہب کی پیروی نہیں کی۔ جب آں حضرتؐ مبعوث ہوئے تو اسلام لائے۔ لیکن جب حبشہ میں ہجرت کر کے گئے تو دین عیسوی اختیار کر لیا اور اسی دین پر مرے۔

کاہن

عرب میں کاہنوں کی بھی ایک جماعت تھی جو مقفیٰ اور مسجع کلام میں لوگوں کو غیب کی خبریں بتایا کرتی تھی۔ ظہورِ اسلام کے قریب لوگ عام طور پر ایک نبی کی آمد کی پیشین گوئی کرتے تھے۔ یہودی بھی ایک نبی کے منتظر تھے جو ان کو سختیوں سے نجات دلا کر پھر مجتمع کرے گا اور اس کے ذریعے سے وہ اپنے دشمنوں کو مغلوب کر لیں گے چنانچہ مدینہ کے اوس و خزرج کے قبائل جب یہودیوں پر غالب آجاتے تھے تو وہ اُن کو اسی آنے والے نبی کے نام سے دھمکاتے تھے۔

الغرض ظہورِ اسلام سے قبل عقلاءِ عرب اور وہاں کے اہل کتاب میں ایک دینی تحریک موجود تھی جو اگرچہ بے نتیجہ تھی، کیونکہ شرک اور بت پرستی سے ان کو روک نہیں سکتی تھی۔ لیکن طبائع میں اسلام کو قبول کرنے کی استعداد اس نے ضرور پیدا کر دی تھی۔


محمد رسول اللہ صلعم
حسن
حسین
علی
عقیل
جعفر
خلفائے عباسیہ
حمزہ
ابو طالب
عبداللہ
عباس
ابولہب
امیہ
خلفائے بنی امیہ
عبدالمطلب
عبدشمس
نوفل
ہاشم
مطلب
عبدالدار
عبد مناف
عبدالعزی
زہرہ
قصی
کلاب
مخزوم
تیم
عدی
سہم
مرہ
جمح
کعب
لوی
غالب
قریش

ولادت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

قریش کے سب سے بڑے سردار عبدالمطلب تھے ان کے کئی نامور بیٹے تھے مثلاً ابوطالب۔ عبداللہ۔ حمزہ اور عباس وغیرہ۔

انھوں نے اپنے بیٹے عبداللہ کا نکاح آمنہ بنت وہب کے ساتھ کیا جو قریش کے قبیلہ بنی زہرہ کی عزیز ترین بیٹی تھیں۔ نکاح کے تھوڑے دنوں بعد عبداللہ نے تجارت کے لئے مکہ سے شام کا سفر کیا۔ اثنائے سفر میں مدینہ کے قبیلے بنی نجار میں جہاں ان کا ننھیال تھا ٹھہر گئے اور بیمار ہو کر انتقال کر گئے۔

تاریخ ولادت

ان کی وفات کے چند ماہ کے بعد دوشنبہ کے دن صبح کے وقت ۹ ربیع الاول مطابق ۱۷ اپریل ۵۷۱ء کو اسی سال جس میں اصحاب فیل کا واقعہ ہوا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ہوئی۔

عبدالمطلب یہ مژدہ سن کر بہت خوش ہوئے محمد نام رکھا اور عرب کی رسم کے مطابق ساتویں دن ختنہ کیا۔

عربی قبائل کے نسب ناموں کو دیکھنے سے بجز بنی تمیم کے ایک سردار کے جو فرزدق شاعر کی پانچویں پشت میں پڑتا ہے اس نام کا اور کوئی شخص تمام عرب میں نہیں ملتا۔

رضاعت

سادات قریش کا یہ دستور تھا کہ اپنی اولاد کو بادیہ نشین قبائل کی عورتوں کو پرورش اور دودھ پلانے کے لئے سپرد کر دیتے۔ تاکہ وہ توانا اور تندرست رہیں۔ چنانچہ

آں حضرت کو ان کے دادا نے بنی سعد کی ایک خاتون کے حوالے کیا ان کا نام حلیمہ بنت ابی ذوئب تھا اور ان کے شوہر حارث بن عبد العزیٰ تھے جن کی کنیت ابو کبشہ تھی۔ حلیمہ نے چار سال تک پرورش کی اور پھر مکہ میں لاکر ان کی والدہ کے سپرد کر گئیں۔

آمنہ کی وفات

جب سے آں حضرتؐ کے والد نے مدینہ میں وفات پائی تھی آپ کی والدہ ہر سال مکہ سے ان کی قبر کی زیارت کو جایا کرتی تھیں ان کے ہمراہ عبد المطلب ہوتے تھے آں حضرتؐ کی عمر کا چھٹا سال تھا کہ آپ بھی اپنی ماں اور دادا کے ساتھ مدینے گئے واپسی میں راستہ ہی میں آپ کی والدہ بیمار ہوکر وفات پاگئیں اور مقام ابواء میں جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے مدفون ہوئیں

عبد المطلب یتیم پوتے کو لے کر مکہ واپس آئے وہ اُن سے بہت محبت کرتے تھے اور ان کو اپنی عزیز ترین اولاد سمجھتے تھے۔

کعبہ کے سایے میں عبد المطلب کے لئے فرش بچھایا جاتا تھا، اُن کے بیٹے ادب سے اس کے کنارے بیٹھتے تھے آں حضرتؐ جب آتے تو سیدھے فرش پر چلے جاتے ان کے چچا اُن کو پکڑ کر کھینچتے کہ اپنے برابر بٹھلائیں۔ عبد المطلب کہتے کہ نہیں اس کو چھوڑ دو۔ واللہ میرا یہ فرزند بڑا آدمی ہونے والا ہے۔ پھر ان کو اپنے پاس بٹھاتے اور شفقت سے پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے

وفات عبد المطلب

آں حضرتؐ کی عمر آٹھ سال کی تھی کہ عبد المطلب نے بھی مکہ میں انتقال کیا۔ وفات کے قبل انھوں نے اپنے بیٹے ابو طالب کو جو آں حضرتؐ کے حقیقی چچا تھے ان کی پرورش کی وصیت کر دی تھی۔

عبد المطلب کے دس بیٹوں میں سے ابو طالب۔ عبد اللہ اور زبیر حقیقی بھائی تھے ان تینوں کی والدہ فاطمہ مخزومیہ تھیں۔

سفر شام

بیان کیا گیا ہے کہ نو سال کی عمر میں آپ کو ابوطالب قافلہ تجارت کے ہمراہ ملک شام میں لے گئے۔ جب مقام بصرہ میں پہنچے جو رومیوں کے ماتحت تھا تو وہاں ایک راہب نے جس کا نام بحیرا تھا آپ کو دیکھ کر ابوطالب سے کہا کہ تم اپنے بھتیجے کو وطن واپس لے جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی دشمن ان کو قتل کر دے کیونکہ ان میں وہ علامتیں پائی جاتی ہیں جو نبی آخر الزماں کی ہیں۔

حرب فجار

جب آپ کا سن ۱۵ سال کا تھا اس وقت قریش کی کنانہ اور قیس کے قبیلوں کے ساتھ لڑائی ہوئی جو بوجہ اس کے کہ حدود حرم میں ہوئی تھی حرب فجار کے نام سے مشہور ہے۔ قریش کے سپہ سالار اعظم حرب بن امیہ تھے کہ وہ عمر اور شرف میں ممتاز تھے۔ بنی عبد المطلب کے سردار زبیر تھے اس لڑائی میں آپ بھی شریک تھے اور دشمنوں کے تیر چن کر اپنے چچاؤں کو دیتے تھے۔

حلف الفضول

حرب فجار کے بعد قریش کے قبائل بنی ہاشم۔ بنی اسد۔ بنی تمیم وغیرہ نے مل کر مکہ میں قسم کھائی اور عہد کیا کہ کوئی مظلوم خواہ کسی قبیلے کا ہو جب مکہ میں آجائے گا تو ہم اس کی امداد کریں گے یہ حلف عبد اللہ بن جدعان کے گھر میں اٹھائی گئی تھی۔ آں حضرت بھی اس میں موجود تھے۔

زمانۂ رسالت میں فرمایا کہ میں خوش ہوں کہ اس معاہدے میں شریک تھا اور آج اسلام میں بھی اگر اس قسم کا عہد کوئی کرنا چاہے تو میں اس کے لئے تیار ہوں۔

اس کا نام حلف الفضول اس وجہ سے رکھا گیا کہ بنی جرہم کے عہد میں بھی مکہ میں تین سرداروں نے مل کر اس قسم کی حلف اٹھائی تھی اور ان تینوں کے نام فضل تھے

عقد نکاح

پچیس سال کی عمر میں آپ کا نکاح حضرت خدیجہ کبریٰ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہوا جو قریش کے قبیلہ اسد

کے سردار خویلد کی بیٹی اور عقل، خلق اور ثروت میں ممتاز تھیں۔ ان کا دستور تھا کہ اپنا تجارتی سامان کسی کو اجیر مقرر کرکے شام اور یمن کے بازاروں میں بھیجا کرتی تھیں۔ آں حضرت چونکہ امین مشہور تھے اس لئے درخواست کی کہ آپ میرے تجارتی مال کو لے کر جائیں آپ نے منظور فرما لیا۔ اور ملک شام میں ان کا مال لے کر گئے حضرت خدیجہ کا غلام میسرہ بھی ہمراہ تھا وہاں بہت نفع حاصل ہوا۔

اس سفر سے واپس آنے کے بعد حضرت خدیجہؓ نے جو بیوہ تھیں خود آں حضرتؐ کے پاس اپنی لونڈی کو بھیج کر نکاح کی درخواست کی آپ نے رضامندی کا اظہار کیا اور ابو طالب سے ذکر فرمایا۔ انھوں نے حضرت خدیجہ کے چچا کو پیغام دیا۔ دونوں طرف سے لوگ جمع ہوئے اور نکاح ہو گیا۔ حضرت خدیجہ کی عمر اس وقت چالیس سال کی تھی۔

تجدید کعبہ

آں حضرتؐ کی عمر ۳۵ سال کی تھی کہ قریش نے کعبہ کی عمارت کو جو سیلاب کی وجہ سے خراب ہو گئی تھی نئے سرے سے تعمیر کرنے کا ارادہ کیا لیکن پرانی دیواروں کو گرانے کی ہمت کسی کو نہیں ہوتی تھی آخر ولید بن مغیرہ نے ابتدا کی اور جب لوگوں نے دیکھ لیا کہ اس کے اوپر کوئی آفت نہیں آئی تو پھر سب شریک ہو گئے۔

جن بنیادوں پر حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام نے دیواریں بنائی تھیں وہاں تک کھود کر پھر از سر نو انھیں تعمیر شروع کی۔ جدہ کے ساحل پر ایک رومی جہاز ٹوٹ گیا تھا اس کی لکڑی خریدی گئی اور ایک رومی تجار نے جس کا نام باقوم تھا اس کے گھڑنے کا ٹھیکہ لیا۔ باقی تمام کام اہل قریش کرتے تھے۔

آخر میں وہ سرمایہ جو اس تعمیر کے لئے جمع کیا گیا تھا گھٹ گیا۔ جس کی وجہ سے مجبوراً عمارت کو بنیاد ابراہیمی سے شمالی جانب تقریباً چھ گز چھوٹا کر دیا

حجر اسود

حجر اسود کے لگانے کا جب وقت آیا تو قبائل میں نزاع واقع ہوئی۔ کیونکہ ہر ایک

سردار اس شرف کا خواہاں تھا کہ میں اس پتھر کو اس کی جگہ پر نصب کردوں۔ آنحضرت صلعم کو لوگوں نے حَکَم مانا آپ نے اس پتھر کو اٹھا کر ایک چادر میں رکھ دیا اور روسائے قبیلہ سے کہا کہ اس چادر کے کنارے کو پکڑ کر اٹھائیں جس وقت وہ اپنی جگہ پہنچ گیا تو ہاتھوں سے تھام کر اس کو نصب فرما دیا اس فیصلے سے سب لوگ خوش ہو گئے اور باہمی رنجش نہیں ہونے پائی۔

حالات قبل نبوت

اس امر میں تمام مورخ متفق ہیں کہ نبی ہونے سے پہلے آنحضرتؐ قوم میں اخلاقی حیثیت سے ممتاز تھے، ان کی راست گوئی وفا شعاری اور امانت داری مسلم تھی یہاں تک کہ اُن کا لقب **امین** تھا۔ بہت سے لوگ اپنی امانتیں لا لا کر آپ کے پاس رکھتے تھے۔ آپ امی تھے لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔

ترکہ پدری سے کوئی ملکیت نہیں پائی تھی۔ اپنی کمائی اور محنت سے روزی کماتے تھے۔ جب حضرت خدیجہؓ کے ساتھ نکاح ہو گیا تو اُن کے مال سے تجارت کرنے لگے جو کچھ نقصان ہوتا تھا اس میں دونوں شریک تھے۔ کبھی کبھی خدیجہؓ کے علاوہ دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی تجارت میں شرکت کر لیتے تھے

غار حرا میں عبادت کے لئے چلے جاتے تھے اور وہاں کئی کئی دن رہتے تھے۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ آپ کے دادا عبدالمطلب بھی اس غار میں جا کر عبادت کرتے تھے۔

ابتدا ہی سے بتوں سے نفرت تھی۔ بت پرستوں کے میلوں اور ان کی پرستش گاہوں میں قدم نہیں رکھتے تھے۔ نہ ان ذبیحوں کا گوشت کھاتے تھے جو بتوں پر چڑھائے جاتے تھے کعبہ کا طواف اور حج کیا کرتے تھے۔ شراب سے ہمیشہ محترز رہے۔

غار حرا میں جو عبادت کرتے تھے اس کی کیفیت معلوم نہیں ہو سکی غالباً خالق کے صفات اور مخلوق کے حالات میں غور و فکر کرتے ہوں گے۔ لیکن نبوت سے قبل حقیقت تک رسائی

نہیں حاصل ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ ط

اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تیری طرف روح (قرآن) کو بذریعہ وحی کے اُتارا تو نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے۔

دوسری آیت میں کہا ہے:۔

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ط

تجھ کو پہلے سے یہ امید نہیں تھی کہ تیرے اوپر کتاب نازل کی جائے گی مگر تیرے رب نے اپنی رحمت سے قرآن نازل کیا۔

پھر ارشاد ہوا:

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى

اللہ نے تجھ کو بھٹکتا ہوا دیکھ کر سیدھا راستہ بتایا۔

ضال سے مراد حیرانی ہے اور ہدایت سے نبوت۔

بعثت

اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو اپنے بندوں میں سے قوموں کی اصلاح کے لئے منتخب کرتا ہے ان کو بذریعہ وحی کے تعلیم دیتا ہے۔ یہی لوگ نبی یا رسول کہے جاتے ہیں۔

وحی

لغت میں مخفی طور پر سُرعت کے ساتھ کسی بات کے بتلا دینے کو وحی کہتے ہیں۔ شرعت کا مفہوم یہ ہے کہ جو بات دل میں آئے وہ ترتیب مقدمات کا نتیجہ نہ ہو بلکہ ایک دم غیب سے اس کا علم ہوگیا ہو۔

انبیاؑ کو جس طریقے سے اللہ تعالیٰ غیب کی تعلیم دیتا ہے اس کی حقیقت بیان کرنے سے تمام علمی عبارتیں قاصر ہیں زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ خود انبیا علیہم السلام کی زبان سے جن الفاظ اور عبارات میں یہ کیفیت بیان ہوئی ہے انھیں سے اقتباس کر کے

اس کا ایک تصور ذہن میں قائم کیا جائے۔

اس تعلیم کے چار طریقے بتلائے گئے ہیں۔

(۱) رویا رصادقہ۔ یعنی نیند کی حالت میں سچے خواب نظر آتے ہیں۔ ایسے خوابوں کا ذکر قدیم آسمانی کتابوں اور نیز قرآن مجید میں بھی ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب ہی میں دیکھا تھا کہ وہ اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انبیاؑ کے خواب برحق ہیں۔ ہم لوگوں کی صرف آنکھیں سوتی ہیں دل بیدار رہتا ہے۔

(۲) اللہ تعالےٰ بلا کسی واسطہ کے دل میں ایک بات ڈال دیتا ہے۔

(۳) نبی کو اللہ کا کلام سنائی دیتا ہے جس طرح کہ حضرت کلیم اللہ نے طور پر ندائے ربانی سُنی تھی

(۴) اللہ تعالےٰ فرشتے کو بھیجتا ہے وہ انبیاؑ کو اس کے ارادوں اور حکموں سے مطلع کرتا ہے۔ قرآن میں اس فرشتہ کو روح الامین کہا ہے۔

آخری تینوں قسموں کا بیان اس آیت میں ہے:۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ط

اللہ کسی شخص سے کلام نہیں کرتا مگر بذریعہ وحی کے یا پردہ کے پیچھے سے یا اپنا قاصد فرشتہ بھیجتا ہے وہ اللہ کے حسب حکم اور حسب منشار وحی کرتا ہے۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ آپ کے اوپر وحی کس طرح نازل ہوتی ہے، فرمایا کبھی جرس کی سی آواز آنے لگتی ہے میں ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہوں جو کچھ سنتا ہوں یاد کر لیتا ہوں اور کبھی فرشتہ آکر وحی سُنا دیتا ہے اس میں مجھے آسانی ہوتی ہے لیکن پہلی صورت مجھے گراں گزرتی ہے۔

چنانچہ جب وحی نازل ہوتی تھی تو آں حضرتؐ سر جھکا لیتے تھے۔ چہرہ متغیر ہو جاتا تھا اور جاڑے کے دنوں میں بھی پیشانی پر سے پسینہ ٹپکنے لگتا تھا۔

نزولِ وحی سے چھ مہینے قبل سے آپ کو رویائے صادقہ نظر آنے لگے۔ رات کو جو خواب دیکھتے تھے صبح کو اس کا ظہور روزِ روشن کی طرح ہو جاتا تھا۔

اِبتدائے وحی

ایک دن غارِ حرا میں حسبِ معمول عبادت میں مشغول تھے کہ فرشتہ وحی لے کر آیا اور کہا کہ "پڑھ" آپ نے جواب دیا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا، اس نے پکڑ کر اپنے سینے سے لگا کر ایسا زور سے دبایا کہ آپ بے حال ہو گئے پھر چھوڑ دیا اور کہا کہ "پڑھ" پھر آپ نے وہی جواب دیا۔ تین بار اسی طرح ہوا، آخر اس نے کہا:۔

"اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ؕ

آن حضرتؐ نے ان آیتوں کو دہرایا۔ پھر وہ فرشتہ چلا گیا۔

اس غیر متوقع اور عجیب غریب حالت کی وجہ سے آپ خوف زدہ ہو گئے وہاں سے لرزتے ہوئے گھر آئے۔ لیٹ گئے اور خدیجہ سے کہا کہ مجھ کو چادر اُڑھا دو۔

جب خوف جاتا رہا اور طبیعت کو سکون ہوا تو خدیجہ سے اس کیفیت کا اظہار فرمایا انھوں نے آپ کو تسلی دی اور کہا کہ آپ نیکی کرتے ہیں۔ صدقہ دیتے ہیں مسکینوں کو کھلاتے ہیں اور لوگوں کا بوجھ اُٹھاتے ہیں اللہ تعالےٰ آپ کو ضائع نہیں کرے گا پھر وہ اپنے چچا زاد بھائی **ورقہ بن نوفل** کے پاس گئیں جو عیسائی ہو گئے تھے اور آسمانی کتابیں پڑھا کرتے تھے ان سے یہ سارا حال بیان کیا۔ ورقہ نے کہا یہ فرشتہ جس کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دیکھا ہے ناموسِ اکبر ہے۔ یہی موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتا تھا یہ یقیناً اس اُمت کے نبی ہوں گے ان سے کہہ دو کہ ثابت قدم رہیں۔ ان کی قوم ان کو جھٹلائے گی۔ اذیت دے گی اور یہاں سے نکالے گی۔ میں اگر اس دن تک زندہ رہا تو ضرور ان کی مدد کروں گا۔

تاریخ نزول وحی

نزولِ قرآن شب قدر میں ہوا۔ شب قدر جمہور اہل اسلام کے نزدیک رمضان کے عشرۂ اخیرہ میں کوئی طاق رات ہوتی ہے۔

بعض مورخین نزول قرآن کی تاریخ ۲۵۔ رمضان قرار دیتے ہیں۔ قمری حساب سے اس دن آں حضرتؐ کی عمر چالیس برس چھ مہینے سولہ دن کی ہوگی اور شمسی حساب سے ۳۹ سال ۳ ماہ ۱۶ یوم۔ یہ تاریخ مطابق ہوگی ۶۔ اگست ۶۱۰ء کے۔

آغاز تبلیغ

مکہ جہاں سے اسلام کی ابتدا ہوئی عرب کا دینی مرکز تھا اور اہل مکہ یعنی قریش کعبہ کے متولی۔ حرم کے مجاور اہل عرب کی نظروں میں محترم تھے، ان میں اپنے آبائی دین کی غیرت اور حمیت کا جوش بہت تھا اس لئے حکمت الٰہی کا مقتضا یہ ہوا کہ اول اول دعوتِ اسلام مخفی طور پر ہو چنانچہ آں حضرتؐ اپنے خاص واقف کاروں میں سے جن لوگوں میں حق پسندی اور نیکی دیکھتے تھے انھیں کو اس کی طرف بلاتے تھے۔

اس زمانے میں جو لوگ اسلام لائے وہ سابقین اولین کہے جاتے ہیں ان میں سے مندرجہ ذیل چار آدمی خاص طور پر ذکر کے قابل ہیں کیونکہ یہ سب سے پہلے مسلمان ہوئے۔

(۱) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲) حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان کی عمر اس وقت آٹھ سال کی تھی اور چونکہ ابوطالب کے اولاد زیادہ تھی اس لئے اُن کے صرفہ کی تخفیف کے خیال سے آں حضرتؐ نے اُن کی پرورش کا بار اپنے ذمے لے لیا تھا اور اپنے پاس رکھتے تھے۔

(۳) حضرت ابوبکر صدیقؓ یہ اپنی قوم یعنی قبائل قریش میں نہایت ہردلعزیز ان کے نسب ناموں اور حالات و واقعات سے سب سے زیادہ واقف اور صاحب ثروت و دولت تھے۔

(۴) حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ۔ یہ زید بن محمد کہے جاتے تھے۔ پہلے حضرت خدیجہؓ کے غلام تھے انھوں نے آں حضرتؐ کو ہبہ کر دیا تھا آپ نے متبنّیٰ بنا لیا تھا۔

حضرت ابو بکرؓ ایمان لانے کے بعد اپنے دوستوں کو بھی اس کی تلقین کرنے لگے چنانچہ اُن کی کوشش سے حضرت عثمان بن عفان زبیر بن عوام عبدالرحمٰن بن عوف سعد بن ابی وقاص طلحہ بن عبیداللہ ابو عبیدہ بن جراح ابو سلمہ ارقم مخزومی عبیدہ بن حارث سعید بن زید مع اپنی بیوی فاطمہ بنت خطاب کے اسلام لائے رضی اللہ عنہم۔ آں حضرتؐ ان لوگوں کے ساتھ ارقم مخزومی کے گھر میں جمع ہوتے تھے اور وہاں قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔

یہ گھر مکہ میں اب تک باقی ہے لیکن افسوس ہے کہ اس کے تاریخی رتبہ کے مطابق اس کی طرف توجہ نہیں کی گئی ہے۔

تین برس تک اسی طرح افراد میں اسلام کی تبلیغ ہوتی رہی۔ اس درمیان میں ایک جماعت نے اس دین کو قبول کر لیا جن میں سے اکثروں کے بعد میں بڑے بڑے کارنامے ہیں۔

اعلان دعوت

جس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ط — تم کو حکم دیا جاتا ہے اس کو کھول کر سناؤ اور مشرکین کی پرواہ نہ کرو۔

اس وقت آپ نے علانیہ توحید کا وعظ شروع کیا۔

قریش سن کر خاموش رہے۔ کوئی مخالفت یا تردید نہیں کی لیکن جب آپ نے شرک کی مذمت کی۔ اللہ کے سوا تمام معبودوں کو باطل کہا اور ان کے ماننے والوں اور پوجنے والوں کو گمراہ بتایا تو وہ لوگ دشمنی کے لئے آمادہ ہو گئے۔ اس لئے کہ اس سے ان کے باپ دادا بھی باطل پرست قرار پائے جن کو کہ وہ اپنے خیال میں دین حق پر سمجھتے تھے۔ انھیں کی پیروی اور تقلید کا دم بھرتے تھے اور انھیں کے قدم بقدم چلنے کے مدعی تھے۔

ہر ایک مصلح کو سب سے دشوار گذار جو مرحلہ پیش آتا ہے وہ یہی ہے جب وہ کوئی اصلاحی تعلیم دیتا ہے تو تقلید پیشہ قوم اپنے بزرگوں کی حمایت میں اس کی دشمن ہو جاتی ہے کہ یہ ان کی برائی کرتا ہے اور ان کو گمراہ بتاتا ہے اسی تعصب کی وجہ سے ہر قسم کی رکاوٹ ڈالتی ہے اور اصلاح کے فیض سے خود بھی محروم رہتی ہے اور دوسروں کو بھی محروم رکھتی ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے آبائی تقلید کو قرآن کی متعدد آیات میں مذموم قرار دیا ہے۔

کفار قریش

اہل مکہ نے آں حضرتؐ کا نہایت سختی کے ساتھ مقابلہ شروع کیا۔ یہ دیکھ کر ابو طالب نے جو گھرانے کے سردار تھے آپ کو اپنی حفاظت میں لیا تاکہ کوئی شخص غیرت دینی اور شرف آبائی کی حمیت کے جوش میں اذیت نہ پہنچائے۔ اس لئے دشمنوں کو جرأت نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ آپکے اوپر حملہ کریں۔ کیونکہ آپ کے اوپر دست درازی کرنا خاندانی لحاظ سے تمام بنی عبد مناف سے لڑائی مول لینا تھا، جو قریش کا شریف اور معزز ترین قبیلہ تھا۔

جب قریش نے دیکھا کہ ابو طالب کی پشت پناہی کی وجہ سے آپ محفوظ ہو گئے تو چند رؤسا ان کے پاس گئے اور کہا کہ آپ اپنے بھتیجے کو منع کیجئے کہ وہ ہمارے بزرگوں اور معبودوں کو برا نہ کہیں۔ ہمارے دین کی مذمت نہ کریں اور نادانوں کو گمراہ نہ بنائیں اور اگر آپ ان کو نہیں روک سکتے تو ان کا ساتھ چھوڑ دیجئے، ہم خود انتظام کریں گے۔ ابو طالب نے ان لوگوں کو نرمی کے ساتھ سمجھا کر واپس کیا۔

تھوڑے دنوں کے بعد جب انھوں نے دیکھا کہ آں حضرتؐ بدستور اپنے وعظ میں مصروف ہیں اور اس کہنے کا کوئی اثر نہیں ہوا تو پھر ابو طالب کے پاس گئے اور کہا کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان باتوں سے روک دو ورنہ ہم سب لوگ تم سے قطع تعلق کر لیں گے۔

قوم سے قطع تعلق ابو طالب کے لئے سخت گراں تھا ادھر بھتیجے کو بھی وہ نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ آں حضرت کو بلا کر کہا کہ یہ تمھاری قوم آئی ہے اور مجھ سے ایسا ایسا کہتی

ہے۔ لہذا تم مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ میں برداشت نہ کر سکوں۔

آپ نے گمان کیا کہ ابو طالب میری حمایت سے دست کش ہونا چاہتے ہیں اور اب وہ غالباً مجھ کو چھوڑ دیں گے۔ فرمایا کہ:

"اے چچا! میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں اور کہیں کہ تم اسلام چھوڑ دو تب بھی میں نہیں چھوڑوں گا۔ یا تو یہ دین پھیل کر رہے گا یا اسی کے پیچھے میری جان چلی جائے گی۔"

ابو طالب یہ کلام سن کر جس میں حق مضمر تھا کہا کہ جاؤ جو کچھ کرتے ہو کرو۔ میں تم کو نہیں چھوڑوں گا۔"

مخالفوں کو جب اس دفعہ بھی ناکامی ہوئی تو پھر وہ عمارہ بن ولید کو لے کر ابو طالب کے پاس گئے اور کہا کہ یہ قریش کا سب سے توانا اور خوب صورت نوجوان ہے۔ ہم سب لوگ خوشی کے ساتھ اس کو تمھارے حوالے کرتے ہیں کہ اپنا بیٹا بنا کر رکھو اور اپنے کاموں میں اس سے مدد لو لیکن اس کے عوض میں اپنے بھتیجے کو ہمارے سپرد کر دو کہ ہم اس کو مار ڈالیں کیونکہ اس نے ہمارے آبائی دین کی مخالفت کی جماعت میں تفرقہ ڈالا اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا۔

ابو طالب نے قریش سے کہا یہ کہاں کا انصاف ہے کہ میں تو تمھارے بیٹے کو لے کر پالوں اور تم میرے بیٹے کو قتل کر دو۔

ابو طالب نے قریش کی یہ کیفیت دیکھ کر اپنے تمام قبیلے کو جمع کر کے آں حضرت کی حفاظت کے لیے آمادہ کیا۔ سب نے خاندانی حمیت کے لحاظ سے قبول کیا صرف **ابولہب** علیحدہ رہا۔

اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ اس کی بیوی **ام جمیل** بنت حرب جس کو قرآن نے حمالۃ الحطب کا خطاب دیا ہے۔ آں حضرت کی سخت ترین دشمن تھی اور عورتوں کے مجمع میں جھوٹی جھوٹی تہمتیں تراش کر آں حضرت کی طرف سے نفرت پیدا کرتی تھی۔

جب حج کا موسم آیا تو کفار قریش اس خیال سے کہ آپ کے مواعظ کا لوگوں پر اثر نہ

ہو جائے راستوں میں جا جا کر بیٹھے اور ہر آنے والے کو ڈرایا کہ مکہ میں فلاں شخص بڑا جادوگر ہے اس کے پاس نہ پھٹکنا۔

حج کرکے جب لوگ اپنے اپنے قبائل میں واپس گئے تو تمام عرب میں آں حضرتؐ کا چرچا پھیل گیا۔ ابوطالب نے اس خیال سے کہ قبائل عرب آبائی دین کی حمیت سے کہیں میرے خاندان پر حملہ نہ کریں اپنا وہ قصیدہ لکھا جو بہت مشہور ہے اس میں حرم کی عزت اور اپنے خاندان کی شرافت کا خاص طور پر ذکر کیا پھر آں حضرتؐ کی دیانت اور راست بازی وغیرہ کی مدح کی اور یہ بھی ظاہر کیا کہ ہم ان پر ایمان نہیں لائے ہیں، لیکن باوجود اس کے جب تک دم میں دم ہے اُن کی محافظت کریں گے۔

کافروں نے آں حضرتؐ کو ہر قسم کی اذیت پہنچانی شروع کی۔ حرم میں عبادت سے روکتے تھے، کاہن، مجنون، شاعر اور جادوگر کہتے تھے جو لوگ اسلام لاتے تھے اُن کو اُن کے قبیلے والے ستاتے تھے اور ان غلاموں کو جو مسلمان ہو جاتے تھے اُن کے آقا ایسی ایسی دردناک سزائیں دیتے تھے جن کے ذکر سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

ہجرت حبشہ

آں حضرتؐ نے مسلمانوں کو اس تکلیف اور سختی میں دیکھ کر حکم دیا کہ تم لوگ ملک حبشہ میں چلے جاؤ۔ کیونکہ وہاں کا بادشاہ کسی پر ظلم نہیں کرتا، پھر اللہ تعالےٰ کوئی صورت پیدا کرے گا۔ چنانچہ اس وقت دس مردوں اور چار عورتوں کا قافلہ حبشہ کو گیا پھر جو لوگ اسلام لاتے تھے وہ کفارِ مکہ کے ڈر سے وہیں چلے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ حبشہ میں اُن کی تعداد ایک سو ہو گئی۔ ۸۳ مرد تھے اور ۱۷ عورتیں تھیں۔ چھوٹے بچے ان کے علاوہ تھے یہ لوگ قریش کے مختلف قبائل کے تھے۔ حبشہ کا بادشاہ نجاشی ان کے ساتھ مہربانی سے پیش آیا اور یہ لوگ وہاں امن اور آرام سے رہنے لگے۔

قریش نے جب دیکھا کہ ان کو حبشہ میں جاکے پناہ مل گئی تو انھوں نے عبداللہ بن ربیعہ

اور عمرو بن عاص کو ہدیے اور تحفے دے کر نجاشی کی خدمت میں بھیجا کہ اس سے درخواست کریں کہ یہ ہماری قوم کے نادان لوگ ہیں انھوں نے قدیمی دین کو چھوڑ کر نیا دین اختیار کر لیا ہے لہٰذا ان کو یہاں پناہ نہ دی جائے بلکہ عرب کو واپس کر دیے جائیں کہ وہاں راہ راست پر آ جائیں گے ورنہ یہاں کے لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

ان سفیروں نے پہنچ کر نجاشی کی خدمت میں تحفے اور ہدیے پیش کیے، اس کے بعد قریش کا پیغام سنایا۔ نجاشی نے مسلمانوں کو بلایا اور ان سے کیفیت پوچھی۔ حضرت جعفر بن ابی طالب نے اسلام سے قبل عربوں کی جو حالت تھی وہ بیان کی۔ اس کے بعد آں حضرتؐ کی کیفیت سنائی کہ انھوں نے ہم کو بت پرستی سے روکا۔ اللہ کے سامنے ہمارا سر جھکایا۔ پسندیدہ اخلاق کی طرف رہنمائی کی ہماری قوم نے دشمنی کی وجہ سے ہم کو ستانا شروع کیا مجبوراً ہم اپنا وطن چھوڑ کر اس ملک میں چلے آئے کہ یہاں امن کے ساتھ رہیں گے۔

نجاشی نے کہا کہ جو کلام الٰہی تمھارے نبیؐ پر نازل ہوا ہے اس میں سے کچھ مجھ کو بھی سناؤ حضرت جعفر نے سورہ مریم کا ابتدائی حصہ سنایا۔ وہ سن کر بہت خوش ہوا اور کہا کہ یہ کلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام دونوں ایک ہی چراغ کے نور ہیں۔

پھر ان سفیروں سے کہا کہ ایسے لوگوں کو جنھوں نے میرے ملک میں آ کر میرے سایے میں پناہ لی میں تمھارے حوالے نہیں کر سکتا۔

اس ناکامی کے بعد عمرو بن عاص نے عبداللہ بن ربیعہ سے کہا کہ اب میں ایسی تدبیر کروں گا کہ نجاشی اُن کا دشمن ہو کر ان کو تباہ کر دے۔ عبداللہ نے کہا کہ تم ایسا نہ کرو کیونکہ یہ لوگ آخر ہمارے بھائی بند ہیں۔ لیکن انھوں نے نہیں مانا دوسرے دن دربار میں جا کر کہا کہ یہ مسلمان حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا نہیں مانتے بلکہ بندہ کہتے ہیں۔ نجاشی نے حضرت جعفر سے پوچھا انھوں نے جواب دیا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی ہے کہ "حضرت عیسیٰ اللہ کے بندے اور اس کے رسول اور کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں"

یہ سن کر نجاشی نے کہا کہ جو کچھ تم نے کہا اس میں اور حضرت عیسیٰ کی حقیقت میں ایک تنکا کے برابر بھی فرق نہیں ہے۔

اس قول سے گو عیسائی رہبان جو وہاں بیٹھے تھے برہم ہوئے۔ لیکن نجاشی نے ان کی کچھ پرواہ نہ کی اور مہاجرین سے کہا کہ تم لوگ میرے ملک میں امن سے رہو پھر قریش نے جو ہدیے بھیجے تھے واپس دے کر سفیروں کو رخصت کر دیا۔

ان مہاجرین میں سے بعض لوگ مدینے کی ہجرت سے قبل مکہ میں واپس آگئے تھے لیکن بیشتر وہیں رہے اور پھر وہاں سے مدینہ آ گئے۔

اس درمیان میں قریش کے دو نہایت عظیم الشان شخص اسلام لائے ایک تو حضرت حمزہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور نامور شجاع تھے دوسرے حضرت عمرؓ جو مسلمان ہونے سے قبل اسلام کے بڑے مخالفین میں سے تھے ان کے مسلمان ہو جانے سے اسلام کو بہت تقویت پہنچی

قطع تعلق

قریش جب ہر قسم کی کوشش کر کے تھک گئے اور اسلام کے روکنے کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہو سکی تو انھوں نے باہم مل کر معاہدہ کیا کہ بنی ہاشم جب تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہمارے سپرد نہ کریں اس وقت تک اُن سے کوئی کسی قسم کا تعلق نہ رکھے نہ اُن کے ساتھ رشتہ کرے نہ اُن سے ملے نہ خرید و فروخت جائز رکھے۔

یہ عہد نامہ لکھ کر خانہ کعبہ میں لٹکا دیا گیا۔ سوائے ابولہب جو قریش کے ساتھ مل گیا تھا باقی تمام بنی ہاشم اور مسلمان مجبور ہو کر پہاڑ کے ایک درہ میں جس کا نام شعب ابو طالب ہے چلے گئے اور دو برس سے زیادہ اس مصیبت اور تنگی کو برداشت کرتے رہے۔ کھانے کو جب کچھ نہیں ملتا تھا تو درختوں کی پتیاں کھا کر بسر کر لیتے تھے۔

آں حضرتؐ باوجود ان تکلیفوں کے رات دن تبلیغ اسلام میں مصروف رہتے تھے۔

آخر ہشام بن عمرو۔ زہیر بن ابو امیہ وغیرہ رؤسائے قریش کو بنی ہاشم کے

حال زار پر ترس آیا۔ انھوں نے خانہ کعبہ میں جاکر باوجود ابوجہل کی مخالفت کے اس عہد نامے کو چاک کر ڈالا۔ اس کے بعد بنی ہاشم پھر مکہ میں آکر رہنے لگے۔

وفات ابوطالب وخدیجہ رض

اس درمیان میں قریش اور غیر قریش کے بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہوئے۔ جب نبوت کا دسواں سال شروع ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب جو ان کی حمایت میں شروع سے آج تک سینہ سپر رہے انتقال کر گئے ان کے بعد ہی ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے بھی جو آپ کی سچی مشیر اور مددگار تھیں وفات پائی یہ دونوں حادثے ہجرت سے تین سال قبل شوال کے مہینے میں چند ہی روز کے فاصلے سے واقع ہوئے۔

اب دشمنوں کو دست درازی کا موقع ملا اور آں حضرت کو ستانے لگے۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے آپ کے سر پر خاک اٹھا کر ڈال دی۔

سفر طائف

آں حضرت صلعم کو اہل مکہ کے اسلام لانے سے مایوسی ہو گئی۔ اس لئے اس تلاش میں پڑے کہ کوئی ایسا قبیلہ ملے جو اسلام کی حمایت کے لئے کمربستہ ہو جائے تو میں اس کے ساتھ مل کر تبلیغ رسالت کے فرائض ادا کروں اسی امید پر زید بن حارثہ کو ہمراہ لے کر طائف کی طرف گئے۔ وہاں ثقیف کے قبائل آباد تھے ان کے رؤسا عبد یالیل مسعود اور حبیب کے سامنے اسلام کو پیش کیا لیکن ان لوگوں نے مطلق توجہ نہ کی بلکہ اپنے غلاموں اور بازار کے اوباشوں کو ابھار دیا۔ جنھوں نے پتھر برسانے شروع کئے یہاں تک کہ سرور عالم مع زید کے زخمی ہو کر ایک باغ میں انگور کے تختے میں پناہ گیر ہوئے۔

وہاں سے ناکامیاب مکہ میں واپس آئے۔ خانہ کعبہ کا طواف کیا نماز پڑھی اور گھر تشریف لے گئے۔

حج کے موسم میں جو قبائل آتے تھے ان کے پاس جا جا کر تبلیغ اسلام کرتے تھے اور ان کو کلام الٰہی سناتے تھے۔ ابولہب بھی ساتھ رہتا تھا وہ لوگوں سے کہتا تھا کہ یہ شخص بے دین ہو

اس کی بات کا خیال نہ کرنا اس وجہ سے لوگ اسلام کو نہیں قبول کرتے تھے بلکہ بعض بعض قبیلے مثلاً عامر اور بنی صُبیعہ سخت کلامی سے پیش آئے۔

اہلِ یثرب

اس زمانے میں مدینے کے دو نوں قبائل اوس اور خزرج میں سخت عداوت تھی خزرج کی تعداد چونکہ زیادہ تھی اس لیے اوس نے چاہا کہ ہم قریش سے مدد لیں اور خزرج کے مقابلے کے لیے ان کو اپنا حلیف بنائیں اس غرض کے لئے ان کی طرف سے ابوالحسر انس بن رافع اور ایاس بن معاذ مکہ میں آئے آں حضرت صلعم اُن کے پاس گئے، قرآن مجید کی آیتیں سُنائیں اور اسلام کی دعوت دی۔ ایاس نے کہا کہ واللہ جس کام کے لئے ہم آئے ہیں اس سے یہ بہتر ہے لیکن ابوالحسر نے ایاس کے منہ پر سنگریزے پھینک کر کہا کہ اس کو چھوڑ دو ہم کسی اور مقصد کے لئے یہاں آئے ہیں۔ ایاس خاموش ہو گئے اور آں حضرت اُٹھ کر چلے آئے۔

جب یہ لوگ مدینے میں واپس گئے تو وہاں اوس اور خزرج میں ایک سخت جنگ ہوئی جس کا نام بعاث ہے۔ اس میں خلاف اُمید اوس کو فتح حاصل ہوئی۔

اس لڑائی کے بعد حج کے موسم میں خزرج کی ایک جماعت مکہ میں آئی۔ آں حضرتؐ نے حسب عادت ان کے سامنے اسلام کو پیش کیا، ان لوگوں نے آپ کا ذکر مدینے میں سُنا تھا نیز وہاں کے یہودیوں کی زبانی اُن کے کانوں میں یہ بات بھی پڑ چکی تھی کہ نبی آخر الزماںؐ کے ظہور کا زمانہ قریب ہے جن کی بدولت یہود کو پھر غلبہ حاصل ہو جائے گا اس وجہ سے انھوں نے آپ کے کلام کی طرف توجہ کی اور اس سے متاثر ہو کر ایک دوسرے کی جانب دیکھا اور کہنے لگے کہ یقیناً یہ وہی نبی ہیں جن کی بابت علمار یہود پیشین گوئی کرتے ہیں ایسا نہ ہو کہ یہود ہم سے سبقت لے جائیں۔ چنانچہ وہ لوگ مسلمان ہو گئے۔ اُن کی تعداد چھ تھی۔

انھوں نے آں حضرتؐ سے کہا کہ ہماری قوم میں باہم عداوت اور لڑائی رہتی ہے ہم جاکر اُن کے سامنے اس دین کو پیش کریں گے۔ کیا عجب ہے کہ اس کی بدولت آپس میں اتحاد ہو جائے۔

بیعت عقبۂ اولیٰ

ان لوگوں نے واپس آکر مدینہ میں تبلیغ اسلام شروع کی وہاں گھر گھر آں حضرتؐ کا چرچا پھیل گیا۔ دوسرے سال حج کے موقع پر مدینے کے بارہ آدمی پہنچے اور بیعت کی آں حضرتؐ نے مصعب بن عمیر کو جو بنی عبدالدار اور سابقین اولین میں سے تھے ان لوگوں کے ہمراہ کردیا کہ قرآن پڑھائیں اور مدینے میں اسلام پھیلائیں۔

ان لوگوں کے اسلام اور حضرت مصعب کی تعلیم کا اہل مدینہ پر ایسا اثر پڑا کہ وہاں کے شرفار اس دین کو قبول کرنے لگے۔ اوس کے سردار اسید بن حضیر۔ نیز حضرت سعد بن معاذ مسلمان ہوگئے، یہ دیکھ کر اُن کے قبائل کے بہت سے لوگ اسلام لائے۔

حضرت اسعد بن زرارہ جن کے یہاں حضرت مصعب ٹھہرے تھے اسلام کی اشاعت میں نہایت سرگرم تھے ان کی کوشش سے اوس کے گھر گھر میں لوگ مسلمان ہونے چلے جاتے تھے۔

بیعت عقبہ ثانیہ

نبوت کے تیرھویں سال مدینہ سے بہت سے لوگ حج کے لئے آئے اس میں مسلم اور غیر مسلم سب شامل تھے۔ حج کے بعد مسلمان اپنے ساتھیوں سے چھپ کر رات کو مقام عقبہ میں جہاں پہلی بیعت ہوئی تھی پہنچے۔ وہاں آں حضرتؐ سے ملنے کا وعدہ تھا۔ تھوڑی دیر میں آپ بھی مع اپنے چچا حضرت عباس کے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے تشریف لائے۔ مدینے کے مسلمانوں کی تعداد کل ۷۵ تھی جن میں ام عمارہ اور ام منیع دو عورتیں بھی شامل تھیں۔

حضرت عباس نے کہا کہ:

"اے گروہ خزرج! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی قوم میں عزت اور امن کے ساتھ ہیں ہم دشمنوں سے ان کے نگہبان ہیں۔ لیکن وہ اب ہم کو چھوڑ کر تمہارے ساتھ جانا چاہتے ہیں۔ تم لوگ اگر پوری وفاداری کے ساتھ اُن کی رفاقت اور حمایت کرسکو تو لے جاؤ ورنہ ابھی سے باز رہو، کیونکہ یہاں وہ اپنی قوم اور اپنے شہر میں محفوظ ہیں۔"

یہ سُن کر خزرج کے ایک شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ! آپ اللہ کے اور اپنے حقوق بیان فرمائیں کہ ہم اُن کے پورا کرنے کا عہد کریں۔ آپ نے قرآن کی چند آیتیں سنائیں اور پھر ارشاد کیا کہ میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ مدینے میں اگر کوئی مجھ پر حملہ کرے تو تم اس سے میری مدافعت کرو۔

خزرج کے سردار براء نے آپ کا ہاتھ تھام لیا اور کہا کہ ہاں ہم اس بات پر بیعت کرتے ہیں ہم جنگ آور اور وفادار ہیں۔ ہمیشہ سے ہم نے لڑائیوں میں پرورش پائی ہے اور باپ دادا سے یہی ہمارا شیوہ چلا آتا ہے۔

دوسرے سردار ابوالہیثم نے کہا کہ یا رسول اللہ! لوگوں کے ساتھ ہمارے معاہدے ہیں وہ اس بیعت کے بعد ٹوٹ جائیں گے ایسا نہ ہوگا کہ آپ کو جب غلبہ اور تسلط حاصل ہوجائے تو پھر آپ اپنی قوم میں چلے آئیں اور ہم کو چھوڑدیں۔ یہ سن کر آں حضرتؐ مسکرائے اور فرمایا کہ نہیں میں تمھارا اور تم میرے۔ میرا خون اور تمھارا خون ایک ہے۔

اس کے بعد مسلمانوں نے بیعت کی۔ اسعد بن زرارہ نے اپنی قوم کو مخاطب کرکے کہا کہ سمجھتے بھی ہو کہ کس بات پر بیعت کر رہے ہو۔ یہ تمام دنیا کے ساتھ لڑائی کا معاہدہ ہے۔ انصار نے کہا کہ بے شک ہم اسی پر بیعت کرتے ہیں۔

اس کے بعد آں حضرتؐ نے بنی اسرائیل کے نقیبوں کی طرح ان لوگوں میں سے بھی بارہ نقیب منتخب کیے۔ ۹ قبائل خزرج کے اور تین قبائل اوس کے تاکہ یہ لوگ اپنے اپنے قبیلے کی طرف سے ذمے دار ہوں۔ اُن کے نام یہ ہیں:-

۱۔ سعد بن زرارہ رضؓ	بنی نجار	خزرج
۲۔ سعد بن ربیع رضؓ	بنی مالک	"
۳۔ عبداللہ بن رواحہ رضؓ	بنی عمرو	"
۴۔ رافع بن مالک رضؓ	بنی زریق	"
۵۔ براء بن معرور رضؓ	بنی سلمہ	"

۶- عبداللہ بن عمرو رضؓ	بنی سلمہ	(خزرج)
۷- عبادہ بن صامت رضؓ	بنی غنم	"
۸- سعد بن عبادہ رضؓ	بنی ساعدہ	"
۹- منذر بن عمرو رضؓ	ایضاً	"
۱۰- اسید بن حضیر رضؓ	بنی عبد الاشہل	(اوس)
۱۱- ابو الہیثم رضؓ	ایضاً	"
۱۲- سعد بن خیثمہ رضؓ	بنی کعب	"

بیعت اور عہد کے مکمل ہونے کے بعد یہ لوگ اپنی فرودگاہ میں جا کر سو رہے۔ صبح کو قریش میں کچھ اس کا چرچا پھیلا وہ لوگ اہل مدینہ کے پاس گئے اور کہا کہ تم ہم سے لڑنے کے لئے محمد (صلعم) کو مکہ سے نکال کر لے جانا چاہتے ہو۔ مدینے کے مشرکین جو اس واقعہ سے بے خبر تھے قسم کھا کر کہنے لگے کہ ہرگز ایسا نہیں ہے عبداللہ بن ابی نے جو مدینے کا سردار تھا اور اسلام نہیں لایا تھا کہا کہ بھلا ایسا ہوتا تو ہم کو خبر نہ ہوتی۔ کئی روز کے بعد قریش کو یقینی علم ہوا لیکن اہلِ مدینہ جا چکے تھے۔

اس بیعت کے بعد جو لوگ اسلام لاتے تھے آں حضرتؐ مدینہ بھیج دیتے تھے کیونکہ وہاں اُن کے حامی اور مددگار بھائی مسلمانوں کی ایک جماعت موجود تھی۔ اب بجز ان لوگوں کے جن کو مکہ کے کفار زبردستی سے روک لیتے تھے۔ تمام مسلمان وہیں پہنچنے لگے۔

مشورہ قتل

جب کفار مکہ نے دیکھا کہ مدینہ کے لوگ آں حضرتؐ کے پیرو ہو گئے مسلمانوں کا اجتماع وہاں ہو رہا ہے اور اُن کی طاقت دن بدن بڑھ رہی ہے تو اُن کو خوف ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ مکہ سے نکل کر ان سے جا ملیں اور اپنی طاقت بڑھا کر ہم سے جنگ کریں اس لئے دار الندوہ میں جمع ہو کر مشورہ کرنے لگے کہ کیوں کر اس کا انسداد کیا جائے۔

کسی نے کہا کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو لوہے کی بیڑیاں پہنا کر ایک محفوظ مکان میں بند

کردیں تاکہ وہ کہیں نہ جا سکیں۔ ایک سن رسیدہ شخص بولا کہ یہ ٹھیک نہیں۔ اس لئے کہ جب
اس کی خبر اُن کے ساتھیوں کو ہوگی تو وہ دروازہ توڑ کر نکال لے جائیں گے اور
پھر اُن کے اثر سے ایک بڑی جمعیت فراہم کرکے تم سے انتقام لیں گے۔
دوسرے نے کہا کہ ہم ان کو مکہ سے ذلیل و خوار کرکے نکال دیں پھر وہ ہمارا کیا کریں گے سی
بڈھے نے کہا کہ اس صورت میں بھی وہی قباحت ہے تم دیکھتے نہیں کہ اس شخص کی شیریں زبانی اور
خوش بیانی کا کیا عالم ہے کہ لوگوں کے دل مسخر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ کوئی ایسا قبیلہ نہ ہوگا کہ ایسے
کلام کو سنے اور ماننے کے لئے تیار نہ ہو جائے۔ پھر تم مدافعت کی طاقت کہاں سے لاؤ گے۔
ابوجہل نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ ہر ہر قبیلے سے ایک ایک ممتاز نوجوان چن کر اُن کے
ہاتھوں میں تلواریں دیں وہ سب کے سب جا کر ایک ساتھ اُن کے اوپر وار کریں اس صورت میں ان کا
خون تمام قبائل میں تقسیم ہو جائے گا۔ پھر بنی عبد مناف کو یہ جرأت نہ ہو سکے گی کہ وہ سارے
قبیلوں سے لڑائی کریں۔
اسی رائے پر اتفاق ہوا۔ مکہ کے تمام قبائل سے ایک ایک جوان منتخب کیا گیا اور ایک رات
معین کرکے اُن سے کہہ دیا گیا کہ اس میں وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر کے پاس جمع رہیں۔
جس وقت وہ صبح کو باہر نکلیں تو سب مل کر ایک ساتھ ان پر ٹوٹ پڑیں اور قتل کر ڈالیں۔

ہجرت

آں حضرت صلعم کو دشمنوں کے ان تمام مشوروں کا علم ہوا۔ اور اللہ تعالےٰ کی طرف سے
مکہ چھوڑنے کا حکم ملا۔ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے مکان پر گئے۔ اُن سے اس کا تذکرہ کیا۔
انھوں نے رفاقت کی درخواست کی جس کو قبول فرمایا۔ اس کے بعد دو سواریاں مہیا کیں اور
ایک راہ بر تلاش کیا کہ قریب ترین راستے سے مدینہ پہنچا دے اور یہ طے پایا کہ جس رات
کو قریش نے قتل کے لئے معین کیا ہے، اسی رات کو مکہ سے نکلیں۔
جب وہ رات آئی تو اس خیال سے کہ مشرکین کو یہ شبہ نہ ہو کہ آپ گھر میں نہیں ہیں

حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر سلا دیا۔ اپنی چادر اُڑھا دی اور ان سے کہا کہ تم یہاں رہ کر ان امانتوں کو جو لوگوں نے میرے پاس رکھی ہیں ادا کر دینا اس کے بعد مدینے کو چلے آنا۔

رات کو حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لے گئے اور ان کے مکان کی ایک کھڑکی سے نکل کر مع ان کے جبل ثور کے ایک غار میں جو مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے جا کر چھپ رہے۔

جوانان قریش ادھر رات بھر مکان کے ارد گرد گھومتے رہے اور منتظر تھے کہ جب نکلیں گے تو وار کریں گے۔ لیکن صبح ہونے پر اُن کو معلوم ہوا کہ وہاں تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بجائے حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔ فوراً آ کر قریش کو خبر دی۔ انھوں نے ہر طرف آں حضرتؐ کی تلاش میں سوار اور پیدل دوڑائے اور یہ اعلان کیا کہ جو شخص اُن کو مردہ یا زندہ کسی حالت میں لائے اس کو سو اونٹ انعام میں دے جائیں گے یہ لوگ چاروں طرف دوڑ کر تھک گئے اور نامراد واپس آئے۔

آں حضرتؐ مع ابوبکرؓ کے تین دن تک اس غار میں رہے۔ عبداللہ بن ابوبکرؓ اگرچہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے لیکن دن بھر مکہ میں کفار کے ارادوں اور مشوروں کا پتہ لگاتے تھے اور شام کو غار میں آ کر سُنا دیتے تھے۔ حضرت اسمارؓ بنت ابوبکرؓ رات کو کھانا تیار کر کے وہاں لے جایا کرتی تھیں اور حضرت ابوبکرؓ کا چرواہا عامر بن فہیرہ سویرے اپنی بکریاں لے کر پہنچتا تھا اور دودھ پلاتا تھا۔ اس کے ریوڑ سے عبداللہ اور اسمار کے نقش قدم بھی مٹ جاتے تھے۔

تین دن کے بعد عبداللہ بن اریقط راہبر دو ناقے لئے ہوئے رات کو وہاں پہنچا، ان کے اوپر سوار ہو کر مدینہ کو روانہ ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے چرواہے کو بھی اپنے پیچھے اونٹنی پر بٹھا لیا کہ راستے میں آں حضرتؐ کی خدمت کرے گا۔

قریش کے خطرے سے عام راستہ چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کی۔ یوم دوشنبہ ۸ ربیع الاول مطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء کو جب کہ آپ کی عمر ۵۳ سال کی تھی قبا میں

میں جو مدینے کے متصل ہے پہنچے اور بنی عمرو بن عوف کے مہمان ہوئے۔

تعلیماتِ مکیہ

ابتدائے رسالت سے قبا کے پہنچنے تک کا کل زمانہ بارہ برس ۵ مہینے ۱۲ دن ہے۔ یہ سب آں حضرتؐ کے قیام مکہ کا زمانہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس اثنا میں ۹۳ سورتیں نازل ہوئیں جو قریب دو ثلث قرآن کے ہیں۔

مکہ میں چونکہ قرآن کے مخاطب سخت ترین کفار تھے اس لئے وہاں جزئی احکام نہیں نازل ہوئے۔ بلکہ وہ کلی امور بیان کئے گئے جو زیادہ تر تزکیۂ قلب رجوع الی اللہ اور عقائد سے تعلق رکھتے ہیں اور تمام عالم کی مصلحت کے لحاظ سے ہر عہد اور ہر دین میں یکساں مسلّم رہے ہیں۔

سورۂ شوریٰ کی یہ آیت ملکی شریعت کی اصل روح ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ	اللہ نے تمھارے لئے دین کا وہی راستہ ٹھہرایا ہے جس کا
نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا	اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور تجھ کو بھی ہم نے اس کی وحی
وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى	کی ہے اور اسی کا ہم نے ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو
اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ	بھی حکم دیا تھا کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا

اسی طرح سورۂ انعام میں انبیاء سابقین کے نام لے کر اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ	یہی (اگلے پیغمبر) وہ لوگ تھے جن کو اللہ نے راہ
فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ	دکھائی۔ تو بھی انھیں کی ہدایت کی پیروی کر۔

یہی سبب ہے کہ سورۂ حج میں دینِ اسلام کو ملتِ ابراہیمی فرمایا کیونکہ حضرت ابراہیم ابو الانبیاء تھے

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ	تمھارے لئے اللہ نے وہی دین تجویز کیا جو تمھارے

هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا ط

باپ ابراہیم کا تھا۔ اسی اللہ نے اگلی کتابوں میں پہلے سے تمہارا نام مسلمان رکھا اور اس میں بھی۔

آیاتِ مکیہ کی اہم تعلیمات یہ ہیں:

توحید

قرآن مجید نے بتایا کہ بنی نوع انسان کا فطرتی دین یہ ہے کہ وہ اکیلے اللہ کو اپنا رب مان کر اسی کے آگے سر جھکائے۔ اور یہی دین اسلام ہے۔

اللہ تعالے حکم دیتا ہے:

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ط

تو ایک طرف کا ہو کر اپنا رخ اس دین کی طرف کرے یہ اس فطرت کے مطابق ہے جس پر اللہ تعالے نے آدمیوں کو پیدا کیا ہے اللہ کی بناوٹ میں کوئی تبدیلی نہیں یہی سیدھا دین ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے

اسی بات کو دوسری آیت میں اس طرح سمجھایا ہے:-

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا ط

(روز ازل) جب تیرے رب نے بنی آدمؑ کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور خود انھیں کو ان کے اوپر گواہ بنایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انھوں نے کہا کہاں ہم گواہ ہیں۔

الغرض رب کی توحید کا اقرار یہی فطرتی دین ہے جو بنی نوع انسان کے لئے ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور یہی اصل اسلام ہے جتنے نبی اور رسول دنیا میں آئے سب کی یہی تعلیم تھی کہ اکیلے اللہ کو مانو۔ اسی کی رضا طلب کرو، وہی پیدا کرنے والا، جلانے والا، اور مارنے والا ہے، اور وہی تمہارے اعمال کی جزا، وسزا دے گا۔ لیکن جہالت اور کم عقلی کی وجہ سے بعض لوگوں نے اس معبود حقیقی کو چھوڑ کر اس کی قدرت

مظاہر مثلاً سورج، چاند، سمندر اور پہاڑ وغیرہ کو دیوتا سمجھ کر پوجنا شروع کیا۔ بعضوں نے فرشتوں یا رسولوں کو اس کی اولاد قرار دیا اور ان کی عبادت کرنے لگے اور بعضوں نے اس کی ذات کو دنیاوی بادشاہوں پر قیاس کرکے بڑے بڑے انبیاء اور اولیاء کو جن سے غیر معمولی باتوں کا ظہور ہوا تھا اپنا مرجع بنایا کہ ان کے توسط سے اللہ تک رسائی حاصل کریں۔ ان میں سے کسی نے ان بزرگوں کے بت تراش کر ان کی پرستش شروع کی کسی نے ان کی قبروں پر نذر و نیاز چڑھا کر ان کی خوشنودی کو رضائے الٰہی کا ذریعہ قرار دیا اور اپنے اور خالق کے درمیان ان کو واسطہ بنایا۔ اس طرح پر شرک دنیا کی قوموں میں پھیل گیا۔

سورہ یونس میں اللہ تعالٰے نے ان کے اس عقیدے کو بیان کیا ہے:۔

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هٰؤُلَاءِ شُفَعَاءُ نَا عِنْدَ اللّٰهِ ط

یہ لوگ اللہ کے سوا ان کی پرستش کرتے ہیں جو نہ ان کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان اور قائل ہیں کہ اللہ کے پاس ہماری سفارش کریں گے

اس کی تردید میں سورۂ فاطر میں فرمایا ہے:

وَالَّذِيْنَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهٖ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ط اِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ ط

اللہ کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں ہیں اگر تم ان کو پکارو گے تو وہ تمھاری پکار نہیں سنیں گے اور جو سنتے بھی تو جواب نہ دیتے اور قیامت کے دن تمھارے شرک کا انکار کریں گے۔

پھر اپنی صفت بیان کرتا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ ط

ساری حمد اللہ کے لئے ہے جس کی نہ اولاد ہے نہ اس کی سلطنت میں کوئی شریک ہے۔ نہ وہ کمزور ہے کہ اس کا کوئی مددگار ہو۔

دوسری آیت میں فرمایا:

إِنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ تمہارا اللہ تو بس ایک ہی اللہ ہے۔

یہ تو معلوم ہے کہ اہل عرب بالعموم مشرک اور بت پرست تھے اور باطل معبودوں کی تعظیم وعبادت میں ان کو بڑا انہماک تھا۔ قرآن مجید نے ان کے سامنے توحید کو پیش کر کے تصریحاً اور اشارۃً اور کنایتاً متعدد اور مختلف اسلوب سے اس کی نہایت پختہ اور مضبوط دلیلیں بیان کیں اور شرک کی برائیاں اور خرابیاں دکھائیں۔ گذشتہ قوموں کے واقعات پیش کئے اور دکھایا کہ شرک کے کیا کیا برے نتیجے انھوں نے اُٹھائے اور توحید کی بدولت کیسی کیسی آسمانی رحمتیں اُن پر نازل ہوئیں اور دنیاوی برکتیں ملیں۔

ان مضامین کو بار بار اس کثرت کے ساتھ دہرایا کہ معمولی سے معمولی عقل کو بھی ان میں شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہے کیونکہ جب کوئی مضمون متعدد طریقوں اور مختلف عبارتوں میں دہرایا جاتا ہے تو طبائع اور نفوس بشریہ پر اس کا اثر اور نقش گہرا اور پختہ پڑتا ہے۔

سب سے زیادہ حضرت موسیٰ اور فرعون کے قصہ کا ذکر قرآن میں ہے مشکل سے کوئی مکی سورۃ ایسی ملے گی جو اس سے خالی ہو۔ کیونکہ بنی اسرائیل بھی جاہل عربوں کی طرح بت پرستی اور شرک کے شیدائی تھے اور فرعون جس نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا توحید الٰہی کا سخت ترین دشمن تھا۔ اس کے مقابلے میں حضرت موسیٰ نے آسمانی تعلیم پیش کی اللہ تعالےٰ کی توحید اور اس کے صفات کو روشن دلیلوں سے ثابت کیا اور معجزوں اور نشانیوں سے اپنے رسول برحق ہونے کا ثبوت دیا۔ انجام یہ ہوا کہ اللہ تعالےٰ نے ان کو کامیابی عطا فرمائی۔ بنی اسرائیل کو توحید کی بدولت غلامی اور سختی سے رہائی بخشی اور فرعون اور اس کے لشکر کو حق کی دشمنی کی وجہ سے سمندر میں غرق کر دیا۔

یہ مثال چونکہ آں حضرت صلعم اور ان کی قوم کے حسب حال تھی اس لئے اس کو قرآن

نے بار بار الگ الگ نوعیتوں سے سمجھایا۔

اسی طرح خود حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا قصّہ جن کو عرب نہ صرف اپنا باپ بلکہ دین کا پیغمبر اعظم تسلیم کرتے تھے کئی طرح سے دُہرایا اُن کی توحید خالص۔ بتوں سے نفرت بُت شکنی اور بت پرستوں سے علیحدگی۔ یہاں تک کہ باپ اور خاندان سے بوجہ اُن کے مشرک ہونے کے قطع تعلّق کر لینے کا حال تصریح کے ساتھ بیان کیا۔

نیز دیگر انبیاء سابقین اور اُن کی اُمتوں کی مثالیں دے دے کر توحید کا نفع اور باطل پرستی کا نقصان ذہن نشیں کیا۔ بتوں کے اوپر جو ذبیحے چڑھائے جاتے تھے ان کو روکا۔ اور جس ذبیحے پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اس کا کھانا حرام کر دیا۔ یہاں تک کہ شریعت نے ہر کام میں خواہ وہ چھوٹے سے چھوٹا کیوں نہ ہو بسم اللہ کرنے کا حکم دیا تاکہ باطل معبودوں کا خیال بھی دل میں نہ آنے پائے۔ اور شرک قطعاً مٹ جائے۔

یہی وجہ تھی کہ صورت گری اور بت تراشی کا بھی دروازہ بند کر دیا۔ کیونکہ شرک دنیا میں سب سے زیادہ خطرناک گناہ ہے اور اس کی طرف طبائع انسانی کا رجحان بہت جلد ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس کے تمام ذرائع کا انسداد لازمی ہے چنانچہ حضرت عمرؓ نے جب دیکھا کہ حدیبیہ میں جس درخت کے نیچے آں حضرتؐ نے بیعت رضوان لی تھی اس کی لوگ تعظیم کرنے لگے تو فوراً اس کو کٹوا کر اس کی جڑ کا نشان تک مٹا دیا۔

نبوّت

قرآن مجید نے اس مسئلے کو مدلّل اور مصرّح بیان کیا کہ بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے نبی ہوتے رہے ہیں اُن میں سے کسی کسی پر آسمانی کتابیں بھی نازل کی گئیں۔ گذشتہ انبیاء کے حالات سنائے صحف ابراہیم، توریت و انجیل و زبور کی مثالیں دیں اور یہ بتلایا کہ فرشتے انسانوں کی رہنمائی کے لئے نہیں مامور کئے جاتے بلکہ آدمیوں ہی میں سے جس کو اللہ تعالےٰ چاہتا ہے منتخب کرکے پیغمبر مقرر کرتا ہے اور فرشتے کے ذریعے سے اس پر

وحی بھیجتا ہے۔

ہر نبی کے قصے میں یہ بھی ظاہر کر دیا کہ ہدایتِ خلق سے ان کا کوئی دنیاوی مطلب نہیں تھا اور نہ وہ کسی اجر کے طالب تھے۔ بلکہ خاص اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے اس کے حکم کے مطابق اس فرض کو ادا کرتے تھے۔

انبیاء کی شناخت کے لئے ان کی حق پرستی اور حق جوئی کو دلیل ٹھہرایا اور یہ بھی بتلایا کہ اللہ تعالیٰ اُن کو اپنی طرف سے معجزے بھی دیتا ہے اور ہمیشہ ان کی مدد کر کے دشمنوں پر ان کو غلبہ عطا فرماتا ہے۔

خود آں حضرتؐ کو دیکھو کہ وہ اور اُن کے پیرو زبردست کافروں سے مغلوب اور خستہ حال تھے اور ان کے ہاتھوں سے ہر قسم کی سختیاں اُٹھاتے تھے لیکن باوجود اس کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری کامیابی کا یقین دلا دیا گیا تھا اور قرآن پکار پکار کر کہہ رہا تھا:

وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ؕ — عنقریب اس کا انجام تم کو معلوم ہو جائے گا۔

دوسری آیت ہے:

فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ؕ — انھوں نے جھٹلایا تو ہے مگر عنقریب اس عذاب کی حقیقت ان کو معلوم ہو جائے گی جس کی ہنسی اُڑایا کرتے تھے۔

پھر فرمایا:۔

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ؕ — عنقریب یہ گروہ شکست کھا جائے گا اور مسلمانوں کے مقابلے میں پیٹھ پھیر کر بھاگے گا۔

آخر قرآن کا ایک لفظ پورا ہو کر رہا۔

روزِ جزا

قرآن نے یوم الحساب کے عقیدہ کا بار بار تصریح کے ساتھ ذکر کیا کہ ایک دن ایسا

آئے گا کہ اللہ تعالیٰ اس دن ہر شخص کا حساب لے گا دنیا میں جو کام جس نے کئے ہیں وہ اس کے آگے آئیں گے، نہ ایک ذرہ کے برابر نیکی چھوٹے گی نہ بدی۔ جس کا نیکی کا پلہ بھاری ہو گا وہ جنت میں جائے گا اور جس کا بدی کا پلہ نیچا رہے گا وہ جہنم میں گرے گا۔

گنہگاروں کو مایوسی اور ناامیدی سے نکالنے کے لئے توبہ اور استغفار کا دروازہ کھلا رکھا اور فرمایا:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ؕ

ہمارے بندوں سے کہہ دے جنھوں نے گناہ کرکے اپنی جانوں پر زیادتیاں کی ہیں اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ کیونکہ اللہ تمام گناہوں کو معاف کرتا ہے۔ وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اخلاق حسنہ

اللہ تعالیٰ نے ان اخلاق کو جو اس کے نیک بندوں میں ہونے چاہئیں جابجا بیان کیا۔ سورۂ اسریٰ میں والدین کی تکریم اور اولاد پر شفقت کرنے کی ہدایت کی اور بہت سی پند و حکمت کی باتیں سکھائیں۔ سورۂ فرقان کے آخری رکوع میں اپنے بندگانِ خاص کے اوصاف مثلاً حلم، وقار اور متانت وغیرہ کا ذکر فرمایا:

اس موضوع کی تفصیل تاریخ کی حدود سے خارج ہے تاہم اس قدر کہنا ضروری ہے کہ قرآن مجید کو غور سے دیکھا جائے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و آداب اور سیرت کا بہترین مرقع وہی ہے۔ کیونکہ آں حضرت کا عمل اسی تعلیم کا نمونہ تھا۔

عبادات

قرآن میں وہ عبادتیں بھی بیان کی گئی ہیں جن کے بجا لانے سے بندہ کا تعلق معبود کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ مثلاً نماز اور صدقہ وغیرہ مکی آیتوں میں نماز کی پابندی اور اسکے ادا کرنے کے احکام نازل ہوئے اور چونکہ یہ عبادت عملی ہے اس لئے کتاب اللہ نے جزئیات

کی تصریح نہیں کی۔ بلکہ آں حضرت نے خود اس کے ادا کرنے کا طریقہ بتایا اور اپنے عمل سے اس کی تفصیل کی جو اُمت میں آج تک نسلاً بعد نسلٍ متواتر چلی آتی ہے۔

قرآن نے نماز کو تزکیہ نفس کا ذریعہ قرار دیا۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ط — نماز بے حیائی کے کاموں اور ناشائستہ حرکتوں سے روکتی ہے۔

اور جو لوگ اس میں کوتاہی کریں ان کو عذاب کا مستحق بتایا۔

فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلَاتِھِمْ سَاھُوْنَ ط — ان نمازیوں کو بڑی تباہی ہے جو اپنی نماز کی طرف سے غفلت کرتے ہیں۔

مکہ میں نماز کا حکم کب سے ہوا؟ اس میں اختلاف ہے۔ عام طور سے یہ کہا جاتا ہے کہ شب معراج میں جب آں حضرتؐ ملاء اعلیٰ میں تشریف لے گئے تھے پنج وقتہ نماز فرض ہوئی۔ اس لئے اس موقع پر ہم معراج کا مختصر ذکر کرتے ہیں۔

معراج

اس لفظ کے معنی ہیں زینہ یا سیڑھی کے۔ لیکن عرف میں اس سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ سلم) کا عروج ملاء اعلیٰ پر مراد لیا جاتا ہے۔ قرآن مجید کی سورۂ اسریٰ کی پہلی آیت میں اس کا ذکر ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ط — وہ اللہ (عیب سے) پاک ہے جو راتوں رات اپنے بندے (محمدؐ) کو مسجد حرم سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں دے رکھی ہیں تاکہ ہم اپنی قدرت کی چند نشانیاں اس کو دکھلائیں۔

یہ سورۃ مکی ہے اور مورخین بھی متفق ہیں کہ یہ واقعہ مکہ میں ہوا۔ ٹھیک وقت منضبط نہیں۔ بعض لوگ اس کو سنہ نبوی کا واقعہ بتاتے ہیں۔

آں حضرتؐ نے اس رات کی صبح کو اپنی قوم سے اس کی کیفیت بیان کی وہ لوگ

بہت متعجب ہوئے۔ بعضوں نے مذاق اُڑانا شروع کیا، لیکن مسلمان ایمان لائے سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے اس کی تصدیق کی اور اسی دن صدیق کا لقب پایا۔ مشرکین نے تکذیب کی اور بعض مذبذب عقیدے کے مسلمان فتنے میں پڑکر مرتد ہو گئے۔

علماء نے اس کی کیفیت میں اختلاف کیا ہے۔ امیر معاویہ نے کہا کہ یہ ایک رویا، صادقہ تھا جس کو آں حضرتؐ نے دیکھا تھا۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ جو اگرچہ زمانہ معراج میں آں حضرتؐ کی زوجیت میں نہیں تھیں لیکن عہد صحابہ میں آپ کے حالات سے سب سے زیادہ باخبر تھیں۔ انھوں نے فرمایا کہ معراج روحانی تھی کیونکہ اس رات کو آپ کا جسم اطہر ام ہانی کے گھر میں اپنی جگہ پر تھا۔

ان دونوں قولوں کا نتیجہ ایک ہی ہے۔ یعنی یہ کہ اس روح اعظم کو رویا میں وطن سے دور مسجد اقصےٰ میں اللہ تعالےٰ نے اپنی چند نشانیاں دکھلائیں اس خیال کے لوگ اپنی تائید میں یہ آیت پیش کرتے ہیں:-

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ ط

جو خواب ہم نے تجھ کو دکھلایا تھا اس کو لوگوں کے ایمان کی آزمائش کا ذریعہ ٹھہرایا۔

کیوں کہ امام حسن بصری جو حدیث معراج کے راوی ہیں وہی خود کہتے ہیں کہ یہ رویا والی آیت اسی کے متعلق نازل ہوئی۔

لیکن جمہور اہل اسلام جسمانی معراج کے قائل ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر خواب میں واقع ہوئی تھی تو پھر مشرکین کی تکذیب اور کم زور مسلمانوں کے ارتداد کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ اس لئے کہ خواب میں زمین سے آسمان تک دیکھنا اور سیر کرنا کوئی عجیب و غریب بات نہیں ہے۔

محققین اہل تاریخ زیادہ تر حضرت عائشہ اور امیر معاویہ کی رائے کی طرف مائل ہیں۔ اس وجہ سے نہیں کہ وہ انبیاء سے اس قسم کے معجزے اور غیر معمولی

واقعہ کے صدور کو بعید از قیاس سمجھتے ہیں۔ بلکہ جسمانی معراج کے ثبوت میں تاریخی شہادت کی کمی پاتے ہیں۔

امیر معاویہ اور اُم المومنین کا علانیہ یہ کہنا کہ رویاء صادقہ تھا اور صحابہ میں سے کسی کا اس کی مخالفت نہ کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ لوگ بھی اس کو ایسا ہی سمجھتے تھے ورنہ یہ ممکن نہ تھا کہ اس کی تردید نہ کرتے۔ مزید براں یہ کہ امام حسن بصری نے رویا والی آیت کو اسی کے متعلق کہا یعنی واقعہ اسراء کو رویا قرار دیا اور ان کے سامنے بھی کوئی انکار کے لئے کھڑا نہ ہوا۔

قرآن مجید سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ رات کو اللہ تعالے نے آں حضرت صلعم کو مسجد حرم سے لے جا کر مسجد اقصیٰ میں اپنی قدرت کے عجائبات دکھائے چونکہ یہ بات مسلّم ہے کہ انبیاء کی نیند اور بیداری یکساں ہے۔ لہٰذا آنکھوں کے معائنہ سے روحانی مشاہدہ کو کم نہیں سمجھنا چاہیئے۔ اس لئے رویا قرار دینے پر بھی آیت کے معنی بالکل صحیح رہتے ہیں۔

رہا مشرکوں کا تعجب اور مذاق اڑانا تو وہ دشمن اور بدخواہ لوگ تھے۔ ذرا سی بات سن پاتے تھے تو اس کو بڑھا چڑھا کر عوام کو برگشتہ کرنے کے لئے طرح طرح سے بیان کرتے تھے۔ آں حضرت کا یہ فرما دینا کہ آج کی رات بیت المقدس میں مجھ کو اللہ کی نشانیاں دکھلائی گئیں ان کی شورش اور گرمی ہنگامہ کے لئے بہت تھا۔ اُن کا رویہ تو خود قرآن میں ایک جگہ بیان کیا گیا ہے:۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ط

یہ کافر باہم کہتے ہیں کہ اس قرآن کو مت سنو اور سنانے لگیں تو بیچ بیچ میں غل مچا دیا کرو۔ اس تدبیر سے تم بازی لے جا سکو گے۔

امام مغازی ابن اسحاق دونوں قسم کے اقوال کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ واللہ اعلم ان میں سے کون سا قول صحیح ہے بہر صورت جو کچھ دیکھا اور جس طرح پر دیکھا خواہ نیند میں یا بیداری میں وہ سچ ہے اور برحق ہے۔ آمنّا وصدّقنا۔

قانونِ اساسی

اللہ تعالےٰ نے اُمت اسلامیہ کے لئے قرآن کریم کو قانونِ اساسی اور دستورالعمل قرار دیا۔ فرمایا:۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ

یہ کتاب جو ہم نے اتاری ہے مبارک ہے تم اس پر چلو۔

سورۂ اعراف میں حکم دیا:

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ط

تم اس کی پیروی کرو جو تمھارے رب کے پاس سے تمھاری طرف اترا ہے اور اس کے سوا دوسرے اولیاء کی پیروی نہ کرو

قرآن سے پہلے جتنی آسمانی کتابیں نازل ہوئی تھیں اُن سب میں اُن کے ماننے والوں نے تحریف کر ڈالی تھی۔ لیکن چونکہ اسلام آخری اور مکمل دین ہے۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے اس کتاب کی حفاظت اپنے ذمّے لی اور وعدہ کیا کہ:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ط

ہم نے ہی قرآن کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

اور اعلان کر دیا کہ قیامت تک وہ محفوظ رہے گا۔

وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ط

اور قرآن بڑی معزز کتاب ہے جھوٹ نہ اس میں آگے سے شامل ہو سکے گا نہ پیچھے سے

اس کے الفاظ میں بھی کوئی تغیّر و تبدّل نہ ہو سکے گا۔

سورۂ کہف میں ہے:

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ط

تیرے رب کی جو کتاب تجھ پر وحی سے اُتاری گئی ہے اس کو سنادے کوئی اس کے کلمات کا بدلنے والا نہیں اور اس کے سوا تجھے ہرگز کوئی راستہ نہیں ملے گا۔

قیامِ مدینہ

آں حضرتؐ قبا میں چار روز ٹھہرے۔ اسی درمیان میں وہاں ایک مسجد کی بنیاد ڈالی۔ جو آج بھی مسجدِ قبا کے نام سے مشہور ہے۔ جمعہ کے دن ۱۲ ربیع الاول مطابق ۲۴ ستمبر ۶۲۲ء کو وہاں سے روانہ ہوکر مدینہ پہنچے۔

جس قبیلہ پر سے گذر ہوتا تھا وہ درخواست کرتا تھا کہ ہمارے یہاں فروکش ہوں۔ بعض لوگوں نے ناقہ کی مہار تھام لی، لیکن سرورِ کائنات نے فرمایا کہ چھوڑ دو اس کو، اللہ تعالےٰ کی طرف سے حکم مل چکا ہے۔ جہاں مجھے اُترنا ہے وہاں یہ خود بخود ٹھہر جائے گی۔

جب بنی مالک بن نجار کے محلہ میں پہنچے تو اس مقام پر جہاں اب مسجدِ نبوی کا دروازہ ہے، اونٹنی خود بخود بیٹھ گئی۔ لیکن آں حضرتؐ اس کی پشت سے نہیں اُترے، اس لئے کھڑی ہوگئی، تھوڑی دور آگے جاکر پھر پلٹی اور اسی جگہ جہاں پہلے بیٹھی تھی بیٹھ گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ سلم اُتر پڑے اور فرمایا: کہ انشاء اللہ یہی ہماری منزل ہوگی۔

حضرت ابو ایوب رضؓ انصاری نے کجاوہ اُتارا اور لے جاکر اپنے مکان میں رکھا۔ آپؐ انھیں کے یہاں مہمان ہوئے۔

مہاجرین میں سے ایک ایک شخص کو لے کر ایک ایک انصاری کا بھائی بنادیا وہ ان کے گھروں میں رہنے لگے۔ انصار نے اُن کے ساتھ بالکل حقیقی بھائیوں کی طرح سلوک کیا۔ بعضوں نے اپنی ملکیت کو دو حصّوں میں تقسیم کرکے اُن سے کہا کہ ان میں سے تم کو جو پسند آئے لے لو۔ بعض نے یہاں تک کیا کہ اپنی دو بیویوں میں

سے ان کو اختیار دیا کہ جس کو چاہو پسند کر لو۔ میں اس کو طلاق دے دوں۔

جہاں اونٹنی بیٹھی تھی وہ زمین دو یتیم بچوں کی تھی جن کے نام سہل اور سہیل تھے۔ آں حضرتؐ نے ان کے اولیاء سے قیمتاً خرید کر وہیں مسجد تعمیر کی اور اس کے ارد گرد اپنے رہنے کے لئے حجرے بنوائے۔ جب وہ تیار ہوگئے تو ابو ایوب کے مکان سے اُٹھ کر آ کھڑے ہیں آگئے۔

مدینے میں سب سے پہلا کام آپ نے یہ کیا کہ وہاں آس پاس جو یہود موجود تھے اُن کے ساتھ عہد نامے کئے جن میں متعدد شرطیں تھیں۔ منجملہ اُن کے یہ تھی کہ دشمنوں کے مقابلے میں ہر ایک دوسرے کی مدد کرے گا۔ کسی فریق کے دین و جان و مال سے دوسرے فریق کو تعرض نہ ہوگا۔ جانبین میں باہم اگر کوئی نزاع پڑے گی تو اس کا فیصلہ آں حضرتؐ کے ہاتھ میں رہے گا اور یہود قریش کو یا اُن کے حلیفوں کو پناہ نہ دیں گے۔ وغیرہ

اس معاہدے کے بعد تبلیغ رسالت کرنے لگے اور اسلام کی اصلی ترقی کا دور شروع ہوا۔

ہم آں حضرتؐ کے مدینہ کے کاموں کو تین جداگانہ حصوں میں تقسیم کرتے ہیں :۔

دشمنوں کا مقابلہ
تعلیم شریعت
اخلاق نبویؐ

اور اسی ترتیب کے ساتھ ان کو لکھتے ہیں۔ تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

دشمنوں کا مقابلہ

یعنی

مغازی و سرایا

مدینے چلے آنے کے بعد قریش مسلمانوں کے اور بھی سخت دشمن ہو گئے۔ انھوں نے ان کی اس تمام ملکیت پر جس کو یہ مکہ میں چھوڑ آئے تھے قبضہ کر لیا اور اگر کوئی مسلمان حج یا عمرہ کے لئے وہاں جاتا تو اس کو روکتے۔ نیز مدینے پر حملہ کرنے کی تیاری میں مصروف ہوئے۔

مدینے کا سب سے بڑا رئیس عبداللہ بن اُبی تھا۔ آں حضرتؐ کی ہجرت سے چند ماہ پیشتر اس کو وہاں کے لوگ بادشاہ بنانے والے تھے اور اُس کے لئے تاج تیار کرایا گیا تھا۔ قریش نے اُس کو لکھا کہ تم نے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنے شہر میں کیوں پناہ دی یا تو اُن کو وہاں سے نکال دو نہیں تو ہم تم سے لڑیں گے۔

چونکہ مدینے کے زیادہ تر لوگ مسلمان ہو چکے تھے اس لئے عبداللہ کو یہ جرأت نہ ہو سکی کہ وہ قریش کے حکم کی تعمیل کرتا۔ مگر وہ اس کو برابر اُکساتے اور دھمکاتے رہتے تھے۔ نیز اردگرد کے یہود کو بھی مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کرنے میں کمی نہیں کرتے تھے۔

قریش کی اِن مخالفتوں اور ریشہ دوانیوں سے مدینہ کے مسلمان خطرہ میں رہتے تھے۔ آں حضرت خود راتوں کو اکثر جاگتے تھے اور بعض بعض قوی دل مسلمانوں کو پہرہ دینے کے لئے مقرر کرتے تھے کیونکہ یہ خوف رہتا تھا کہ رات کو مدینے پر کسی طرف سے حملہ نہ ہو جائے۔

قریش کا قافلۂ تجارت کے لئے ہر سال ملک شام کو جایا کرتا تھا اور یہی ان کا ذریعہ معاش تھا۔ مدینہ چونکہ راستے میں تھا اس لئے مسلمانوں نے یہ سوچا کہ ان کی اس تجارت

کو روک دیں تاکہ وہ عاجز ہو کر صلح کر لیں۔ اسی بنیاد پر جب قریش کے قافلے کے آنے جانے کا پتہ لگتا تھا تو کبھی خود آں حضرت مع صحابہؓ کے ان کو روکنے کے لئے جاتے تھے اور کبھی کوئی دستہ کسی امیر کے ہمراہ بھیج دیتے تھے۔ نیز قریش کے حالات کے تجسس کے لئے بھی دس دس بیس بیس مسلمانوں کی ٹکڑیاں جایا کرتی تھیں۔

مورخین نے یہ اصطلاح مقرر کی ہے کہ جس یورش میں آں حضرت خود شریک ہوئے اُس کو **غزوہ** اور باقی کو سَریّہ کہتے ہیں۔

پہلی بار قریش کے تعاقب میں ۱۲ صفر ۲ھ کو نکلے اور مقام ودان تک تشریف لے گئے جو مدینے سے ۷۰ میل پر ہے مقابلہ نہیں ہوا۔ وہاں قبیلہ بنی ضمرہ سے اس بات کا معاہدہ کر کے کہ وہ مسلمانوں کی مدد کریں گے واپس چلے آئے۔

پھر قریش کے ایک قافلے کا حال سُن کر مقام بواط تک جو سمندر کے ساحل پر مکہ اور شام کے راستے میں واقع ہے گئے۔ وہاں بھی کوئی جنگ پیش نہیں آئی۔

اسی درمیان میں کرز بن جابر نے جو مکہ کے ایک قبیلہ کا سردار تھا۔ مدینے کے متصل چراگاہ پر حملہ کیا اور مسلمانوں کے اونٹ لوٹ لے گیا۔ مقام سفوان تک پیچھا کیا گیا لیکن ہاتھ نہ آیا۔

جمادی الاولیٰ میں مقام عشیرہ تک جو ینبع کے قریب ہے آں حضرت مع صحابہؓ کے تشریف لے گئے۔ یہاں ایک ماہ سے زائد قیام کیا۔ اور بنی مدلج اور اُن کے حلفاء سے عہد نامہ کر کے مدینہ واپس آئے۔

رجب کے مہینے میں عبداللہ بن جحش کو ۸ مہاجروں کے ہمراہ مکہ کی طرف روانہ کیا اور ایک بند خط دے کر فرمایا کہ اس کو دو روز کی مسافت طے کر کے کھولنا حکم کے مطابق جب وہ خط کھولا گیا تو اس میں لکھا ہوا تھا کہ "مکہ اور طائف کے درمیان بطن نخلہ میں جا کر قریش کے حالات معلوم کرو اور آ کر اطلاع دو۔

ان لوگوں نے بطن نخلہ میں جا کر قیام کیا۔ عمرو بن حضرمی جو قریش کا حلیف تھا مع اپنے تین ساتھیوں کے تجارتی مال کے چند اونٹ لئے ہوئے ادھر سے گذرا۔ مہاجرین سے نہ رہا گیا۔ ایک نے عمرو کے تیر مارا وہ مر گیا اس کا ایک ساتھی بھاگ گیا لیکن دو پکڑ لئے گئے اور مع اونٹوں کے مدینہ لائے گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غنیمت کو قبول نہ کیا اور فرمایا کہ میں نے تم کو لڑنے کا کب حکم دیا تھا چونکہ یہ واقعہ رجب میں ہوا تھا جس میں لڑائی حرام ہے اس لئے اور بھی آپ برہم ہوئے، آخر اس کے بارے میں وحی نازل ہوئی:۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ط قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ج وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ط وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا۔

لوگ تم سے ماہ حرام میں لڑائی کی نسبت پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے۔ لیکن اللہ کے راستے سے روکنا اس پر ایمان نہ لانا اور مسجد حرام میں نہ جانے دینا وہاں کے باشندوں کو نکال دینا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر ہے اور فتنہ خوں ریزی سے سخت تر ہے۔ یہ کافر برابر تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ ان کا بس چلے تو تم کو تمھارے دین سے برگشتہ کر دیں۔

یعنی اللہ تعالے نے تسلی دلائی کہ اگر تم سے ایک غلطی ہوئی ہے تو کفار نے تو اس سے بڑھ کر برائیاں کی ہیں۔ اور کرنے کے لئے آمادہ ہیں۔ اس آیت کے اُترنے سے تردّد رفع ہو گیا۔

عمرو بن حضرمی کے قتل سے قریش کی آتش عداوت اور بھڑک اُٹھی اور وہ انتقام کے جوش میں بھر گئے۔

غزوۂ بدر

قریش کا قافلہ حسب معمول تجارت کے لئے شام کے ملک میں گیا ہوا تھا۔ میر قافلہ ابوسفیان تھے۔ اور ۳۰ - ۴۰ قریش کے اُن کے ہمراہ تھے وہاں سے خرید و فروخت کر کے جب مکہ کو واپس آنے لگے تو مدینہ کے قریب اُن کے جاسوسوں نے اطلاع دی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مع اپنے اصحابؓ کے اس قافلہ پر حملہ کی تیاری کر رہے ہیں یہ سُن کر ابوسفیان نے فوراً ایک تیز رو قاصد مکہ کو روانہ کیا کہ قریش کو خبر دے کہ وہ جلد مدد کو پہنچیں ورنہ اُن کا تمام مال لٹ جائے گا۔ یہ اطلاع پاتے ہی قریش مکہ سے نہایت جوش و خروش کے ساتھ روانہ ہوگئے۔

ابوسفیان ساحل بحر سے اپنے قافلے کو نکال لے گئے اور قریش کے لوگوں کو کہلا بھیجا کہ واپس چلو لیکن ابوجہل نے ازراہِ نخوت انکار کیا اور کہا کہ بدر میں جہاں عرب کا سالانہ اجتماع ہوتا ہے، ہم جا کر ٹھہریں گے۔ تین روز تک وہاں دعوتیں کریں گے اور جشن منائیں گے۔ تاکہ تمام عرب میں ہمارے آنے کی شہرت اور ہماری طاقت کا رُعب غالب ہو جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ۹ رمضان سنہ ۲ھ مطابق ۵ مارچ سنہ ۶۲۴ء کو صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ مدینے سے نکلے۔ وادی زفران میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ قافلہ نکل گیا اور اہل مکہ کا عظیم الشان لشکر بدر کی طرف آ رہا ہے۔ آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے مشورہ کیا چونکہ جنگ کے ارادہ سے نہیں نکلے تھے اس وجہ سے بعض لوگوں نے اس بے سر و سامانی کے ساتھ قریش کے مقابلے میں جانا پسند نہ کیا آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ دونوں گروہوں میں سے کسی ایک پر ہم کو فتح دے گا اب قافلہ تو نکل گیا۔ اس لئے قریش کے لشکر پر ہماری کامیابی یقینی ہے

حضرت ابوبکر، عمر اور مقداد رضی اللہ عنہم نے کہا کہ ہم کو جو حکم ہو تعمیل کے لئے حاضر ہیں۔ لیکن آں حضرتؐ کا روئے سخن دراصل انصار کی طرف تھا کیونکہ اُنھیں کی طاقت اور تعداد زیادہ تھی اور اُن سے بیعت جس بات پر لی گئی تھی وہ یہ تھی کہ مدینے پر کوئی چڑھائی کرے گا تو وہ اس سے لڑیں گے۔ یہ عہد نہیں تھا کہ باہر نکل کر دشمنوں پر حملہ آور ہوں گے۔

حضرت سعد بن معاذؓ رئیس انصار نے کہا کہ یارسول اللہ! شاید آپ کا خطاب ہماری طرف ہے۔ اللہ شاہد ہے کہ اگر آپ ہم کو حکم دیں تو ہم سمندر میں کود پڑیں۔ یہ سُن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو گئے۔

چونکہ کامیابی کا یقین تھا اس وجہ سے اس مختصر جماعت کے ساتھ بدر کی طرف روانہ ہوئے اور اہل مدینہ کو بلانے کی ضرورت نہ سمجھی۔ وہاں پہنچ کر پہلے چشمے پر اُتر پڑے۔

حباب بن منذرؓ نے آکر پوچھا کہ یہاں اُترنے کا حکم الہامی ہے کہ جس میں چون وچرا کی گنجائش نہیں۔ یا آپ نے خود تدبیر جنگی کے لحاظ سے اس کو منتخب فرمایا ہے۔ آں حضرتؐ نے جواب دیا کہ یہ خود میری رائے ہے۔ حبابؓ نے کہا تو یہ مقام موزوں نہیں بلکہ مناسب یہ ہے کہ اور آگے بڑھ کر ہم قریش کی فرودگاہ کے قریب ترین چشمہ پر قبضہ کرلیں اور اپنے لئے حوض بھر کر اردگرد کے کنوؤں اور چشموں کو پاٹ دیں تاکہ دشمنوں کو پانی نہ مل سکے۔ آپؐ نے اس مشورہ کو پسند فرمایا اور اسی کے مطابق عمل کیا۔

حضرت سعدؓ کی رائے سے آں حضرت کے لئے ایک سائبان بنایا گیا کہ اس میں قیام فرمائیں۔ ۱۷ رمضان سنہ ۲ھ مطابق ۱۳ مارچ سنہ ۶۲۴ء کو سہ شنبہ کے دن صبح کے وقت دونوں فریق میدان میں آ گئے۔

مسلمانوں کی تعداد ۳۱۴ تھی - جن میں سے ۸۳ مہاجرین اور باقی انصار تھے۔ انصار میں سے ۶۱ آدمی اوس کے تھے اور ۱۷۰ خزرج کے۔

کفار کی تعداد قریب ایک ہزار کے تھی جس میں سوائے ابولہب کے قریش کے تمام سردار شامل تھے۔ ابولہب خود کسی وجہ سے نہیں آسکا تھا اس نے اپنے بدلے میں ایک شخص کو بھیج دیا تھا۔

دونوں کی طرف سے صف آرائی شروع ہوئی - آں حضرت ؐ کے دستِ مبارک میں ایک تیر تھا۔ اشارہ سے صفوں کو برابر کیا۔ پھر جہاد پر وعظ فرمایا اس کے بعد درگاہ قاضی الحاجات میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ خشوع و خضوع کی حالت میں سجدہ میں گر گئے اور کہا کہ اے اللہ! اگر آج تیرے یہ چند عبادت گذار مٹ گئے تو تو پھر کبھی تو دنیا میں پوجا نہ جائے گا۔

اسی حالت میں تھے کہ فرشتے نے آکر فتح کی بشارت دی آپ ؐ نے سر اٹھایا اور مسلمانوں کو یہ مژدہ سنایا۔

عربی قاعدہ کے مطابق مبارزہ سے جنگ شروع ہوئی۔ مشرکین کی صفوں میں سے عتبہ بن ربیعہ جو قریش کا نامور سردار تھا مع اپنے بھائی شیبہ اور اپنے بیٹے ولید کے باہر نکلا۔ اِدھر سے تین انصاری ان کے مقابلے کے لئے گئے۔ عتبہ نے اُن سے کہا کہ ہم تم لوگوں پر تلوار نہیں اٹھائیں گے۔ ہمارے مقابلے کے لئے ہمارے ہم قوم یعنی اہل قریش کو آنا چاہیئے۔ آں حضرت ؐ کے حکم سے انصار پلٹ آئے۔ عتبہ کے مقابلے کے لئے حضرت حمزہ رضؓ ولید کے لئے حضرت علی رضؓ اور شیبہ کے لئے حضرت عبیدہ رضؓ گئے۔

عتبہ اور ولید تو حضرت حمزہ رضؓ اور حضرت علی رضؓ کے ہاتھوں مارے گئے لیکن شیبہ نے عبیدہ رضؓ کو ایک کاری زخم لگایا۔ یہ دیکھ کر حضرت علی رضؓ بڑھے شیبہ کو قتل کر دیا۔ اور عبیدہ رضؓ کو اٹھا کر آں حضرت ؐ کے پاس لائے۔

پھر دونوں طرف سے صفیں ٹوٹ پڑیں اور لڑائی ہونے لگی۔

قریش کے بہت سے سردار قتل اور تقریباً نوے آدمی گرفتار ہوئے۔ باقی بھاگ گئے اور بہت تھوڑے عرصہ میں لڑائی ختم ہوگئی۔

قیدیوں میں آں حضرتؐ کے چچا حضرت عباسؓ اور داماد ابو العاص اور حضرت علیؓ کے بھائی عقیل بن ابی طالب بھی تھے۔

لڑائی ختم ہونے پر عبد اللہ بن رواحہؓ اور زید بن حارثہؓ مژدۂ فتح سنانے کے لئے مدینے کی طرف دوڑائے گئے۔

آں حضرتؐ کا ہر لڑائی میں یہ دستور تھا کہ دونوں فریق کی جس قدر لاشیں ملتی تھیں ان کو دفن کرا دیتے تھے۔ یہاں بھی مسلمان شہیدوں کو دفن کرایا۔ مشرکین کے کشتوں کی تعداد چونکہ زیادہ تھی اس لئے ایک بڑا گڑھا کھدوا کر سب کو اسی میں ڈلوا دیا۔ پھر مع مال غنیمت اور اسیرانِ جنگ کے مدینہ کو واپس آئے۔

راستے میں قیدیوں میں سے نضر بن حارث اور عقبہ دو شخص قتل کر دیئے گئے۔ کیونکہ یہ دونوں مسلمانوں کے سخت ترین دشمن تھے اور اپنے اشعار میں ان کی ہجو کیا کرتے تھے۔

اسیرانِ جنگ کے پاس کپڑے نہ تھے۔ مدینہ میں پہنچ کر ان کے واسطے کپڑے فراہم کئے گئے۔ حضرت عباسؓ کو عبد اللہ بن اُبی نے کشیدہ قامت ہونے کی وجہ سے اپنا کرتہ پہنایا۔

آں حضرتؐ نے اس کا یہ احسان یاد رکھا اور باوجود اس کے کہ وہ رئیس المنافقین اور مسلمانوں کا بد ترین دشمن تھا پھر بھی جس وقت اس نے انتقال کیا تو اس کے کفن کے لئے اس کے معاوضہ میں اپنا پیراہن مبارک عطا فرمایا۔

قیدیوں کو متفرق طور پر صحابہ کے سپرد کیا کہ جب تک ان کے بارے میں تصفیہ نہ ہو ان کو اپنے پاس آرام کے ساتھ رکھیں بعض بعض مفلس صحابہ آں حضرتؐ

کے اس فرمان کی وجہ سے ان قیدیوں کو اپنا کھانا کھلا دیتے تھے اور خود فاقہ کر لیتے تھے۔
مشرکین کے علمبردار ابو عزیز کا بیان ہے کہ میں جس انصاری کے حوالہ کیا گیا تھا وہ روٹی تو مجھے کھلا دیتے اور خود کھجوریں کھا کر بسر کر لیتے۔ میں شرما کر روٹی ان کے سامنے رکھ دیتا تو وہ اس کو چھوتے بھی نہیں تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اسیرانِ جنگ کے متعلق صحابہ سے مشورہ لیا۔ حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ ہر چند یہ لوگ بھائی بند ہیں لیکن ان کو قتل کر دینا چاہیئے۔ مگر حضرت ابوبکرؓ اور اکثر صحابہؓ نے قتل کو پسند نہ کیا اور یہ رائے دی کی فدیہ لے کر چھوڑ دینا مناسب ہے۔ رحمتِ عالم نے اسی کو ترجیح دی۔ مگر چونکہ اب تک کسی نبی کے لئے قیدیوں کا زرِ فدیہ اور مالِ غنیمت حلال نہیں کیا گیا تھا اور آں حضرت کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے اس کے بارے میں کوئی خاص حکم بھی نہیں ملا تھا۔ اس لئے عرش سے عتاب نازل ہوا۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ط وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ط لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَا اَخَذْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ط فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ط

کسی نبی کو یہ روا نہیں کہ ملک میں اچھی طرح خوں ریزی کئے بغیر لوگوں کو قیدی بنائے۔ تم دنیا کا سرمایہ چاہتے ہو اور اللہ آخرت کا اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے اگر اللہ نے تمہاری معافی پہلے نہ لکھ دی ہوتی تو جو کچھ تم نے لیا اس کی وجہ سے بڑا عذاب تم پر نازل ہوتا غرض جو کچھ تم کو مالِ غنیمت میں ملا ہے اس کو حلال طیب سمجھ کر کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

حضرت سعدؓ بن معاذ کی پہلے سے یہ رائے تھی کہ میدانِ جنگ میں قیدی نہ پکڑے جائیں اور بعد پکڑنے کے بھی وہ حضرت عمرؓ کے ہم خیال تھے کہ ان کو قتل کر دینا چاہیئے اس آیت میں بتایا گیا کہ دشمنوں کی گرفتاری سے ان کا قتل کر دینا زیادہ مناسب تھا۔ بہرحال یہ خطا معاف کی گئی اور مالِ غنیمت بھی حلال کر دیا گیا۔

ہر ایک اسیر کا چار ہزار درہم فدیہ مقرّر کیا گیا۔ اہلِ مکہ جب مطلع ہوئے تو انھوں نے اپنے اپنے عزیزوں کا زرِ فدیہ بھیج دیا۔ وہ چھوڑ دیے گئے۔ جو نادار تھے ان میں سے جو لکھنا جانتے تھے ان سے کہا گیا کہ مدینہ کے دس دس بچّوں کو کتاب سکھا دیں اور آزاد ہو جائیں باقی بلا فدیہ رہا کر دیے گئے۔ ان میں سے عمرو جمحی مکہ کا شاعر بھی تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت زینبؓ نے اپنے شوہر ابو العاص کے فدیے میں اپنے گلے کا ہار اُتار کر بھیج دیا تھا۔ یہ ہار حضرت خدیجہؓ کا دیا ہوا تھا۔ آں حضرتؐ نے جب اس کو دیکھا تو رقت طاری ہوئی صحابہؓ نے فرمایا مناسب سمجھو تو زینبؓ کو اس کا یہ ہار واپس دیدو، کیونکہ یہ اس کی ماں کی یادگار ہے۔ سب لوگوں نے خوشی کے ساتھ قبول کیا اور ابو العاص کو بلا فدیہ کے رہا کر دیا۔

مکہ میں بدر کی شکست اور اس کے مقتولوں کا گھر گھر میں سوگ تھا لیکن ناموس کے خیال سے کوئی بلند آواز سے نہیں روتا تھا۔

صفوان بن اُمیہ نے عمیر بن وہب کو جو اسلام کا سخت دشمن تھا اپنے حجرے میں بلا کر مخفی طور پر تنہائی میں اس بات پر آمادہ کیا کہ تم مدینے میں جا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دو۔ تمھارے بچّوں کی پرورش میں کر لوں گا وہ زہر میں بجھی ہوئی تلوار لے کر مدینہ پہنچا۔ اتفاقاً اس پر حضرت عمرؓ کی نگاہ پڑ گئی، اُن کو شبہہ ہوا۔ گردن پکڑ کر اُس کو آں حضرتؐ کے سامنے لائے آپؐ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ چھوڑ دو پھر اس کو اپنے قریب بلایا اور پوچھا کہ کس لئے آئے ہو اُس نے کہا کہ میرا بیٹا جو قید میں ہے اس کو چھڑانے کے لئے آیا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ نہیں تم کو صفوان نے میرے قتل کے لئے بھیجا ہے یہ سُن کر عمیر نے اُسی وقت کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے کیونکہ اس بات کو سوائے ان کے اور صفوان کے اور کوئی نہیں جانتا تھا۔

غزوۂ بدر کا ذکر مفصل قرآن میں ہے اس کے بارے میں پوری سورۂ انفال نازل ہوئی

اللہ تعالےٰ نے اس میں مال غنیمت کے احکام بیان کئے کہ ایک خمس اللہ اور رسول اور اُن کے قرابت مندوں نیز یتیموں مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے اور باقی چار خمس فوج کا حصہ ہے۔

نیز اس لڑائی میں مسلمانوں کی بے سروسامانی، پریشانی اور امداد آسمانی کا ذکر فرمایا۔ کہ ہم نے فرشتوں کی فوج اُتاری تاکہ مسلمانوں کو اطمینانِ قلب حاصل ہو اور وہ میدانِ جنگ میں ثابت قدم رہیں۔ اس کے بعد قریش کی ایذا رسانی مخالفت اور دشمنی وغیرہ بیان کی۔ پھر مسلمانوں کو حکم دیا کہ تم اپنی طاقت اور شوکت کو جہاں تک ہو سکے بڑھاؤ۔ اس کے بعد صلح کی ترغیب دی اور آخر میں اسیرانِ جنگ کے معاملے کا تصفیہ فرمایا۔

یہ لڑائی درحقیقت شوکتِ اسلام کا سنگِ بنیاد تھی۔ یہی وجہ ہے، کہ جو لوگ اس میں شریک ہوئے وہ قطعی جنتی قرار دیدئے گئے کیونکہ اسلام کے سب سے بڑے دشمن قریش تھے اُن کی قوت کا اس میں خاتمہ ہو گیا۔ **ابوجہل** اور **عتبہ** وغیرہ تقریباً ستر سادات قریش مارے گئے۔ اور نوے کے قریب گرفتار ہو کر آئے۔ اس کے مقابلے میں مسلمان شہدار کی کل تعداد ۱۴ تھی۔

جو لوگ صرف ظاہری سازوسامان کو فتح اور کامیابی کا ذریعہ سمجھتے ہیں اُن کو اس جنگ سے عجیب و غریب سبق مل سکتا ہے۔ اس میں مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳ تھی جن کے پاس صرف تین گھوڑے اور ستر اونٹ تھے بمقابلہ اس کے کفار کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی۔ ان میں ایک سو سوار تھے اور سازو سامان بھی کافی تھا اور دونوں فریق ایک ہی قوم کے لوگ تھے یعنی یہ بھی عرب اور وہ بھی عرب بلکہ مکہ والے مدینہ والوں کو اپنا ہمسر بھی نہیں سمجھتے تھے۔ باوجود اس کے صرف چند گھنٹوں کی لڑائی کے بعد مسلمانوں کو ایسا غلبہ حاصل ہوا کہ کفار

کچھ مقتول اور کچھ گرفتار ہو گئے اور باقی بدحواسی کے ساتھ بھاگے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ حق کا ناصر ہے اس نے فتح کی خوش خبری پہلے ہی سے دیدی تھی۔ علاوہ بریں آسمان سے فرشتوں کی فوج اُتاری جس سے مسلمانوں کے دل مضبوط ہو گئے اور کافروں پر ہیبت چھا گئی اور سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ مسلمان دنیا کی محبوب اور مقدس ترین ذات یعنی رسول اللہ صلعم کی مدافعت اور اعلائے کلمۂ حق کے لئے لڑ رہے تھے اور اس پر اپنی جان نثار کر دینے کو ایک لازوال نعمت سمجھتے تھے۔ اس لئے موت سے ان کو کوئی خوف نہیں تھا۔ بلکہ اس کے خواہاں تھے۔ بخلاف اس کے کفار میں یہ جذبۂ پاک موجود نہ تھا وہ محض انتقام اور کینہ کے جوش میں لڑ رہے تھے۔

غزوۂ سویق

بدر کی لڑائی میں جب بڑے بڑے رؤسائے مکہ مارے گئے تو قریش کے رئیس اعظم ابوسفیان بن حرب فرار پائے۔ اُنھوں نے مکہ میں پہنچ کر یہ عہد کیا کہ جب تک بدر کے کشتوں کا بدلہ نہ لے لوں گا اس وقت تک نہ غسل کروں گا نہ سر میں تیل ڈالوں گا۔ چنانچہ وہ مدینے کے قرب وجوار کے یہود کے پاس دو سو سواروں کے ساتھ آئے۔ رات کو بنی نضیر کے سردار اسلام بن مشکم کے پاس پہنچے باوجود اس کے کہ وہ آں حضرتؐ کے ساتھ عہد کر چکا تھا لیکن اس نے ان کو مہمان رکھا اور مسلمانوں پر شب خون کے طریقے بتائے۔

ابوسفیان نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ مقام عریض پر جو مدینے سے چند میل کے فاصلے پر ہے حملہ کیا نخلستان میں آگ لگا دی دو انصاریوں کو قتل کر ڈالا۔ اور اپنے خیال میں اپنی نذر پوری کر کے مکہ کو واپس چلے گئے۔ آں حضرتؐ

کو جب اطلاع ہوئی تو مقام کدر تک تعاقب کیا۔ لیکن وہ لوگ ہاتھ نہ آئے۔
ابوسفیان نے زادِ راہ کے لئے اونٹوں پر ستو کے تھیلے لادے تھے واپسی میں عجلت کی وجہ سے اونٹوں کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے جابجا ان تھیلوں کو پھینکتے گئے وہ مسلمانوں کو ملے۔ اسی وجہ سے اسے غزوہ سویق (ستو) کہتے ہیں۔

بنی قینقاع

مدینے کے آس پاس یہود کے تین قبیلے تھے بنی قینقاع، بنی نضیر اور بنی قریظہ۔ آں حضرتؐ نے مدینے آنے کے ساتھ ہی ان سے معاہدے کر لئے تھے جنگ بدر کے بعد اسلام کے عروج کو دیکھ کر ان کے دلوں میں رشک پیدا ہوا دوسرے قریش نے بھی ان سے مخفی طور پر ساز باز شروع کیا۔ اس لئے وہ اسلام کے سخت دشمن ہو گئے۔ اس کی ترقی میں رکاوٹیں ڈالنے لگے اور مسلمانوں کو ایذا دینا اور آں حضرتؐ کے ساتھ بد تہذیبی سے پیش آنا شروع کیا۔

ان کے بارے میں قرآن میں آیتیں نازل ہوئیں جن میں اُن کی سود خواری دروغ پسندی، بد اخلاقی۔ عداوتِ اسلام اور منافقانہ سرشت کی صاف صاف پردہ دری کی گئی۔

سب سے پہلے بنی قینقاع نے جو یہود کے تینوں قبیلوں میں دولت مندی اور شجاعت میں نامور تھے۔ آں حضرت صلعم کے عہد کو توڑ ڈالا اور علانیہ مسلمانوں کی دشمنی کرنے لگے۔ مدینے کے منافق بھی اُن کے ہمراز تھے۔

ابتدا اس واقعے سے ہوئی بنی قینقاع کے بازار میں ایک یہودی نے ایک مسلمان عورت پر بے جا سختی کی وہ عورت امداد کے لئے چلائی کسی مسلمان نے پہنچ کر اس ظالم یہودی کو قتل کر دیا۔ یہودیوں نے مل کر اس مسلمان کو مار ڈالا۔ آنحضرتؐ اس کی اطلاع پا کر وہاں تشریف لے گئے اور یہودیوں کو سمجھانے لگے کہ اگر تم ایسا

کروگے تو اہل بدر کی طرح تم پر بھی اللہ کا غضب نازل ہوگا۔ انھوں نے جواب دیا
کہ قریش کے اوپر آپ نے جو فتح پائی تو اس گھمنڈ میں نہ رہیں وہ جنگ پیکار سے
ناواقف تھے، ہم سے سابقہ پڑے گا تو ہم بتلادیں گے کہ لڑائی کس کو کہتے ہیں۔

اس معاملے نے طول کھینچا۔ یہاں تک آنحضرتؐ نے ان پر فوج کشی کی وہ
قلعہ گیر ہوکر بیٹھ رہے۔ پندرہ دن تک محاصرہ رہا آخر مدینہ کے راس المنافقین
عبداللہ بن اُبی کی تجویز کے مطابق جو درپردہ اُن کا ہمراز تھا یہ طے ہوا کہ
بنی قینقاع یہاں سے جلا وطن کردئے جائیں چنانچہ وہ مقام اذرعات میں
جو ملکِ شام میں ہے چلے گئے ان کی تعداد سات سو تھی۔

جنگِ اُحد

قریش کے دل میں مقتولینِ بدر کے انتقام کا بے حد جوش تھا۔ چنانچہ عبداللہ
بن ربیعہ۔ عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن اُمیہ ان لوگوں کو جن کے
اقربا مارے گئے ساتھ لے کر ابوسفیان کے پاس جمع ہوئے اور کہا کہ ہمارے
بڑے بڑے سردار بہت سے رشتہ دار بدر کی لڑائی میں قتل ہوگئے۔ مال
تجارت کے نفع میں سے جو مشترکہ رقم جمع کی جاتی ہے اس سے تم ہماری مدد کرو۔
کہ تیاری کرکے اپنے مقتولوں کا بدلہ لیں۔ ابوسفیان رضامند ہوگئے۔

قریش تیار ہوئے اور اپنے حلیف اور مددگار قبیلوں کے لوگوں کو بھی
ساتھ لیا عمرو جمحی شاعر نے جو بدر میں قید ہوگیا تھا اور آں حضرتؐ نے اس کو رحم
فرماکر بلا فدیہ چھوڑ دیا تھا۔ نیز دوسرے شعراء نے بھی اپنے اپنے اشعار سنا سنا کر
لوگوں کو انتقام کا جوش دلایا۔ سرداروں کی لڑکیاں اور بیبیاں بھی ساتھ چلیں
کہ وہ اپنے عزیزوں کے قاتلوں کی سزا میں دیکھیں اور نیز اس غرض سے بھی اُن کی

حفاظت کے خیال سے قریش لڑائی سے نہیں بھاگیں گے۔

وحشی نامی جبیر بن مطعم کا ایک حبشی غلام تھا جو حربہ (چھوٹا نیزہ) چلانے میں مشہور تھا اور بہت کم خطا کرتا تھا۔ جبیر نے اس سے کہا کہ تم بھی لڑائی میں چلو، اگر حمزہ رضی اللہ کو تم نے قتل کر لیا تو میں تم کو آزاد کر دوں گا۔

یہ لشکر مکہ سے روانہ ہو کر مدینہ کے مقابل کوہ اُحد کی وادی میں ایک چشمے پر اُترا۔ آں حضرتؐ نے صحابہ کو جمع کر کے مشورہ لیا۔ عبداللہ بن اُبی نے جو منافقوں کا سردار تھا یہ رائے دی کہ ہم مدینے ہی میں رہیں۔ جب وہ یہاں حملہ آور ہوں گے تو اُن سے لڑیں گے۔ آپؐ نے بھی اس رائے کو پسند فرمایا۔ لیکن دیگر صحابہ نے کہا کہ ہم کو شہر سے باہر نکل کر دشمنوں کو روکنا چاہیے۔ اس کے بعد آپ گھر میں تشریف لے گئے اور مسلح ہو کر نکلے۔ صحابہ نے اس خیال سے کہ شاید ہم نے آنحضرتؐ کو اُن کی منشا کے خلاف باہر نکلنے پر مجبور کیا، نادم ہو کر عرض کیا کہ ہماری بات کا آپ کچھ خیال نہ فرمائیں اگر شہر میں پناہ گیر ہونا زیادہ مناسب ہو تو یہیں تشریف رکھیں۔ ہمارا یہ منصب نہیں کہ آپ کو ہم اپنی رائے کا پابند کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نبی کو زیب نہیں دیتا کہ جب وہ ہتھیار لگائے تو بے لڑے اُن کو اُتارے۔

۱۴ شوال ۳ھ مطابق ۲۹ مارچ ۶۲۵ء کو بعد نماز جمعہ ایک ہزار صحابہ کو ساتھ لے کر مدینے سے نکلے۔ عبداللہ بن اُبی نے اپنے گروہ سے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے مشورے کے خلاف چند جوشیلے نوجوانوں کے کہنے سے باہر نکل پڑے۔ میں نہیں سمجھتا ہم کیوں مفت میں اپنی جانیں دیں یہ کہہ کر وہ مدینے کو پلٹ آیا، اس کے ساتھ منافقین کی جماعت تھی جن کی تعداد تین سو تھی۔ واپس چلی آئی۔ اب مسلمان کل سات سو رہ گئے۔ ان میں سے

بھی جن کی عمریں سولہ برس سے کم تھیں واپس کیے گئے۔

ان بچوں کے شوق شہادت کا یہ عالم تھا کہ واپس جانا گوارا نہ تھا۔ چنانچہ حضرت رافع بن خدیج ایڑیاں اٹھا کر پاؤں کے پنجوں کے بل کھڑے ہوگئے اور تن کر اپنے قد کو اونچا کیا ان کی یہ تدبیر کارگر ہوگئی اور لے لیے گئے۔ انھیں کے ہم عمر سمرہ تھے ان سے جب کہا گیا کہ تم واپس جاؤ تو انھوں نے کہا کہ میں تو رافع سے زیادہ قوی ہوں اور ان کو گرا لیتا ہوں میں کیوں جاؤں۔ آخر کشتی کرائی گئی انھوں نے رافع کو پچھاڑ لیا اور ساتھ چلنے کی اجازت حاصل کی۔

جب قریب پہنچے تو کوہ اُحد کو پس پشت رکھ کر صف بندی شروع کی حضرت مصعب کو علم دیا گیا۔ پیچھے سے پہاڑ کے درہ کی طرف سے مشرکین سواروں کے حملہ کا خوف تھا اس لئے وہاں عبداللہ بن جبیر کی ماتحتی میں ۵۰ تیر انداز متعین کر دئے گئے۔ آں حضرت نے اُن کو حکم دیا کہ اپنے تیروں سے سواروں کو ادھر آنے سے روکنا اور ہم چاہے فتح پائیں یا شکست کھائیں تم لوگ ہرگز بلا حکم یہاں سے نہ ٹلنا۔

مقابلہ میں قریش بھی صف آرا ہوئے طلحہ ان کا علمبردار تھا ایک دستہ سواروں کا تھا جس کے میمنہ پر خالد بن ولید اور میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل تھے دو سو کوتل گھوڑے بھی ساتھ تھے کہ بر وقت ضرورت کام دے سکیں۔ تیر اندازوں کی جماعت کا سردار عبداللہ بن ربیعہ تھا۔

لڑائی شروع ہوئی۔ قریش کی خاتونیں، بدر کے مقتولوں کے مرثیے دف بجا کر گاتی تھیں۔

مسلمان نہایت بے جگری سے لڑے خاص کر حضرت حمزہ رض۔ علی رض اور ابو دجانہ نے بے مثل شجاعت کا اظہار کیا۔ آں حضرت صلعم کے دست مبارک میں ایک شمشیر تھی وہ

ابو دجانہؓ کو عطا فرمائی وہ اس کو لے کر اکڑتے اور اتراتے ہوئے دشمن کی طرف بڑھے آپؐ نے دیکھ کر فرمایا یہ چال اللہ تعالیٰ کو کہیں پسند نہیں۔ بجز میدان جنگ کے۔

ابو دجانہؓ نے بہت سے کافروں کو قتل کیا۔ ابو سفیان کی بیوی ہند بھی سامنے پڑ گئی۔ اس کے سر تک تلوار لے جا کر ہاتھ کھینچ لیا کہ رسول اللہ صلعم کی تلوار عورت کے خون سے رنگین نہ ہو۔

حضرت حمزہ دو دستی تلوار چلاتے تھے اور دشمنوں کو سامنے سے صاف کرتے جاتے تھے۔ وحشی غلام ان کی تاک میں لگا ہوا تھا۔ جب اس کے قریب پہنچے تو اس نے حربہ پھینک کر مارا جو ناف سے گذر کر پشت کے پار نکل گیا آگے بڑھے کہ اس کو قتل کریں لیکن زخم کاری تھا گر پڑے اور جان نکل گئی۔

قریش مسلمانوں کے حملے کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹے۔ ان کے علمبردار یکے بعد دیگرے قتل ہو جاتے تھے۔ لیکن پھر دوسرا جھنڈا اٹھا لیتا تھا آخر میں جب صواب قتل ہوا اور علم کو لے کر گرا تو مشرکین منتشر ہو گئے۔ یہ دیکھ کر عمرہ بنت علقمہ قریش کی ایک خاتون نے اس کو اٹھا لیا۔ کفار پھر اس کے ارد گرد جمع ہو گئے لیکن مسلمانوں کے سامنے وہ زیادہ نہ سنبھل سکے پیچھے ہٹتے ہٹتے میدان سے منہ پھیر لیا، اور شکست کھا گئے۔

مجاہدین مال غنیمت کے جمع کرنے میں مشغول ہو گئے یہ دیکھ کر تیر انداز مسلمان بھی اپنی جگہ چھوڑ کر اسی طرف جھک پڑے۔ عبداللہ بن جبیر نے ہر چند ان کو روکا، لیکن نہ رکے۔

اب مشرکین سواروں کے لئے راستہ صاف تھا۔ خالد نے اس درے سے نکل کر حملہ کر دیا۔ مسلمان جو اطمینان سے غنیمت سمیٹنے میں مصروف تھے کیا دیکھتے ہیں کہ پیچھے سے ان کے سروں پر تلواریں پڑنے لگیں نہایت ابتری پھیل

گئی، یہاں تک کہ بدحواسی میں خود ایک دوسرے پر وار کرنے لگے۔ حضرت یمان کے بیٹے حضرت حذیفہ چلاتے ہی رہ گئے کہ یہ میرے باپ ہیں۔ لیکن سراسیمگی میں ان کو لوگوں نے قتل ہی کر ڈالا۔ حضرت حذیفہ نے کہا: مسلمانو! اللہ تمھاری مغفرت کرے۔

اسی حالت میں ایک مشہور بہادر اور شہسوار کافر ابن قمیئہ نے حضرت مصعب کو جو مسلمانوں کے علمبردار اور آں حضرت کے ہم شکل تھے شہید کر دیا اور چلایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے قتل کر لیا۔ یہ سُن کر مسلمانوں کے رہے سہے اوسان بھی جاتے رہے۔ بہت سے لوگ بھاگے۔ بعض حیران ہو کر جہاں کھڑے تھے وہیں کھڑے رہ گئے اور بعض فرطِ رنج سے گر پڑے۔

انس کے چچا ابن نضر لڑتے ہوئے جا رہے تھے، دیکھا کہ حضرت عمرؓ ہتھیار پھینک کر غمزدہ اور مایوس بیٹھے ہوئے ہیں پوچھا کہ یہاں کیا کرتے ہو کہا اب لڑنے سے کیا ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو شہید ہو گئے۔ ابن نضر نے کہا کہ جب رسول اللہ نے شہادت پائی تو ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے۔ یہ کہہ کر مشرکین میں گھس گئے اور لڑ کر شہید ہو گئے۔

آں حضرت صلعم کے اردگرد صرف چند جاں نثار رہ گئے تھے۔ کفار اسی طرف بڑھے۔ حضرت ابو دوجانہ نے آپ کی طرف اپنا رُخ کر کے اپنی پشت کو سپر بنا لیا۔ دشمنوں کے تیر اسی پر آکے لگتے تھے حضرت سعد بن وقاص اور ابو طلحہ تیر چلا چلا کر دشمنوں کو روکتے تھے۔ ام عمارہ جن کا نام نسیبہ تھا، اور جو بیعت عقبہ میں شریک ہوئی تھیں وہ بھی ایک تلوار لے کر وہاں کھڑی ہو گئیں۔ حملہ آوروں کو روکتی تھیں اور قتل کرتی تھیں۔

اسی درمیان میں کسی کافر نے ایک پتھر پھینک کر مارا جس سے آں حضرتؐ کا

لب زخمی ہوا، اور نیچے کے دو دانتوں میں سے داہنا دانت شہید ہو گیا۔ پھر ابن قمیہ نے بڑھ کر تلوار کا وار کیا جس سے خود کے دو حلقے رخسارِ مبارک میں دھنس گئے حضرت ابوعبیدہ نے ان حلقوں کو دانتوں سے کھینچ کر نکالا۔ رخسار سے خون کے قطرے ٹپکنے لگے۔ ام عمارہ نے یہ دیکھا تو بڑی بیتابی کے ساتھ اچھل کر ابن قمیہ پر پے درپے تلوار کے کئی وار کئے۔ لیکن وہ دو زرہیں پہنے ہوئے تھا اس لئے کچھ اثر نہ ہوا۔ اُس نے مڑکر ام عمارہ کو ایک تلوار ماری۔ اُن کے مونڈھے پر سخت زخم آیا۔ جو پورے ایک سال میں اچھا ہوا۔

زیاد بن سکن انصاری اپنے پانچ ہمراہیوں کے ساتھ آں حضرتؐ کی محافظت کے لئے آئے اور سب نے لڑکر جانیں فدا کردیں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر بن العوام بھی جانبازی کے ساتھ مدافعت کرتے تھے۔ حضرت طلحہ دشمنوں کی تلواروں کو اپنے ہاتھ پر روکتے تھے، یہاں تک کہ ان کا ایک ہاتھ کٹ کر گر پڑا۔

ایک شخص کھجور کھاتا ہوا وہاں آیا اور آں حضرتؐ سے پوچھا کہ اگر میں لڑوں اور مارا جاؤں تو کہاں جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا کہ جنت میں۔ یہ سُن کر اس نے کلمہ پڑھا اور کافروں پر جھپٹا اور شہید ہو گیا۔

یہی وہ شخص ہے جس نے اللہ کو ایک سجدہ بھی نہ کیا اور جنتی ہو گیا۔

جہاں آپ کے لئے سائبان بنایا گیا تھا اس کے متصل ایک کافر ابو عامر نے مسلمانوں کو گرانے کے لئے ایک گڑھا کھود رکھا تھا۔ آں حضرتؐ کا پائے مبارک اس میں جا پڑا، اور آپ اس کے اندر گر گئے۔ حضرت علیؓ نے ہاتھ پکڑا اور حضرت ابوبکرؓ اور طلحہ نے اُٹھا کر نکالا۔

کعب بن مالک انصاری نے جب آں حضرتؐ کو دیکھا تو چلائے کہ مسلمانو!

مژدہ ہو کہ رسول اللہ صلعم زندہ ہیں ، یہ آواز سُن کر صحابہ اُسی طرف ٹوٹ پڑے
آپ سب کے ہمراہ پہاڑ پر چڑھ گئے ۔ دشمن بھی اس طرف بڑھے لیکن حضرت عمرؓ
وغیرہ نے پتھر برسائے اس لئے وہ آگے نہ جا سکے ۔ ابی بن خلف آں حضرتؐ
کے قریب پہنچ گیا اور جوش میں کہنے لگا کہ میں آج محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو زندہ
نہیں چھوڑوں گا یہ سُن کر آں حضرتؐ حارث بن صمہ کے ہاتھ سے نیزہ لے کر
اس کی گردن پر مارا جس سے اس کی شہ رگ سے خون جاری ہو گیا اور وہ
گھوڑے پر سے لڑکھڑایا ۔ آخر اسی زخم سے واپسی میں مکہ کے راستے میں مر گیا حضرؐ
یہی ایک بدبخت شخص ہے جس کو آں حضرتؐ نے اپنی تمام زندگی میں اپنے ہاتھ سے
ہلاک کیا ہے ۔

اِدھر مدینے میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر پہنچی تو بہت
سی عورتیں دوڑ پڑیں حضرت فاطمہ زہرا بھی پہنچ گئیں ۔ حضرت علی ڈھال میں
پانی بھر کر لائے اور حضرت فاطمہ نے روئے مبارک سے خون دھویا ۔ پھر چٹائی
کا ٹکڑا جلا کر اس کی راکھ زخم میں بھر دی ۔ جس سے خون بند ہو گیا ۔

ابو سفیان نے قریش کو لے کر سامنے کے ٹیلے پر چڑھ کر زور سے پکارا

اُعْلُ ھُبَلْ — ہبل سر بلند رہ

آنحضرت کے حکم سے صحابہ نے اس کا جواب دیا ۔

اللہُ اَعْلٰی وَاَجَلّ — اللہ برتر اور بزرگ ہے ۔

ابو سفیان نے حضرت عمرؓ کی آواز پہچان کر اُن کو پکارا ۔ آں حضرت صلعم نے
فرمایا کہ جاؤ دیکھو کیا بات ہے جب وہ پہنچے تو ابو سفیان نے کہا کہ بتاؤ محمد
(صلی اللہ علیہ وسلم) مقتول ہو گئے یا نہیں ۔ انھوں نے کہا کہ نہیں وہ پہاڑی پر
موجود ہیں اور تمھاری آواز سُن رہے ہیں ۔ ابو سفیان نے کہا کہ تم میرے نزدیک

ابن قمیئہ سے زیادہ سچے ہو۔

پھر ابو سفیان نے چلا کر کہا کہ یہ بدر کی لڑائی کا بدلہ ہے اور ہمارا تمھارا مقابلہ آئندہ سال پھر بدر میں ہوگا۔ آں حضرت صلعم نے صحابہ کو حکم دیا کہ کہہ دو کہ ہم کو منظور ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ خیال اس امر کا تھا کہ مشرکین کا ارادہ معلوم کریں حضرت علیؓ کو بھیجا کہ پتہ لگاؤ کہ یہ کیا کرنا چاہتے ہیں اگر اونٹوں پر کجاوے کسیں اور گھوڑوں کو کوتل چھوڑیں تو سمجھ لینا کہ مکہ کو جانا چاہتے ہیں اور اگر اس کے برعکس ہو تو مدینے کے حملے کا قصد رکھتے ہیں۔ پھر ہم کو بھی مقابلہ کے لئے تیار رہنا چاہیے۔

حضرت علیؓ گئے اور آکر اطلاع دی کہ وہ اونٹوں پر سوار ہوئے اور گھوڑوں کو کوتل ساتھ لے گئے۔ جب اس طرف سے اطمینان ہو گیا تو شہدا کی لاشوں کو دفن کرانے میں مشغول ہوئے۔

ستر مسلمان شہید ہوئے تھے، جن میں چار مہاجر، باقی انصار تھے۔ مشرکین کے کشتوں کی تعداد کل ۲۲ تھی۔

کافروں نے بدر کے کینہ کے جوش میں شہیدوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تھے ابو سفیان کی بیوی ہند نے سید الشہدا حضرت حمزہ کی نعش کا مثلہ کیا یعنی ناک کان وغیرہ کاٹ ڈالے۔ آنکھیں نکال لیں اور سینہ چاک کر کے جگر کا ایک ٹکڑا منہ میں ڈال کر چبایا لیکن نگل نہ سکی اس لئے اُگل دیا۔ اس لئے اس کا لقب جگر خوارہ رکھا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ جو سید الشہدا کی حقیقی بہن تھیں۔ بھائی کی نعش دیکھنے کو آئیں۔ آپ نے اُن کے بیٹے حضرت زبیر کو حکم دیا کہ اپنی ماں کو روکو اس طرف نہ جانے پائیں۔ جب حضرت زبیر نے ان کو منع کیا

تو انھوں نے کہا مجھے اپنے بھائی کا حال معلوم ہوچکا ہے ، میں رونے اور نوحہ کرنے نہیں آئی ہوں ۔ دیکھوں گی، صبر کروں گی اور دعائے مغفرت مانگوں گی۔ حضرت زبیر نے آکر آں حضرت ؐ سے کہا۔ آپ نے اجازت دے دی۔ بھائی کی حالت اور اُن کے جگر کے بکھرے ہوئے ٹکڑے دیکھ کر دل بے قرار ہوگیا۔ انا للہ پڑھ کر دعائے مغفرت مانگی ان کے کفن کے لئے بیٹے کو دو چادریں حوالہ کیں اور واپس چلی آئیں۔

حضرت زبیر کہتے ہیں کہ وہ چادریں لے کر ہم نے چاہا کہ سید الشہدا کا کفن بنائیں لیکن انھیں کے قریب ایک انصاری شہید پڑے تھے ۔ اُن کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا گیا تھا جو اُن کے ساتھ ہوا تھا ، اس لئے ہم نے مروت کے خلاف سمجھا کہ ایک کو دو چادروں میں دفن کریں اور ایک کو بے کفن چھوڑ دیں ۔ آخر دونوں کو ایک ایک چادر میں لپیٹ کر دفن کیا ۔

اس وقت مسلمانوں کی محتاجی کا یہ عالم تھا کہ شہدا کے لئے کفن تک میسر نہ تھا ۔ اسلامی علمبردار حضرت مصعب کے کفن کے لئے صرف ایک چادر تھی وہ بھی اس قدر چھوٹی کہ سر چھپاتے تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں چھپاتے تو سر۔ مجبوراً سر چھپایا گیا ، اور پاؤں پر اذخر کی گھاس ڈال دی گئی ۔

شہدا خون میں لتھڑے ہوئے بلا غسل ایک ایک قبر میں دو دو دفن کئے گئے ۔ جس کو قرآن زیادہ یاد ہوتا تھا اُس کو آگے رکھتے تھے ۔

اس سے فارغ ہو کر مدینے واپس چلے ۔ راستہ میں حمنہ بنت جحش آتی ہوئی ملیں ، اُن کو اُن کے ماموں حضرت حمزہ کی شہادت کی خبر دی گئی انھوں نے انا للہ پڑھی اور دعائے مغفرت مانگی ، پھر ان کے بھائی عبد اللہ بن جحش کی خبر دی گئی اس پر بھی انا للہ پڑھ کر مغفرت کی دعا کی ۔ لیکن جب اُن کے شوہر حضرت مصعب کی شہادت کی خبر دی گئی تو چلاّ کر رو پڑیں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ عورت کے دل میں شوہر کی محبت زیادہ ہوتی ہے۔ آں حضرتؐ کی شہادت کی خبر سُن کر انصار کے قبیلے بنی انبار کی ایک خاتون مدینے سے چل پڑی تھیں۔ راستے میں ان کو اُن کے شوہر باپ اور بھائی تینوں کی شہادت کی خبر ملی، ہر ایک کی خبر سُن کر وہ یہی کہتی تھیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں لوگوں نے کہا کہ وہ زندہ ہیں۔ کہا کہ مجھے دکھا دو، صحابہ نے اشارہ سے بتایا۔ انھوں نے اپنی آنکھوں سے جب آپ کا چہرہ دیکھ لیا تو تسلی پاکر بولیں کہ آپ جب سلامت ہیں تو ساری مصیبتیں ہیچ ہیں۔

مدینے میں پہنچ کر بھی آپ کے دل میں یہ خیال رہا کہ کہیں کفار پھر نہ ہمارے اوپر پلٹ پڑیں اس لئے دوسرے دن پھر انھیں لوگوں میں سے جو جنگ احد میں شریک تھے ایک جماعت لے کر نکلے اور آٹھ میل جاکر مقام حمراء الاسد میں قیام کیا۔ غرض یہ تھی کہ قوت کا اظہار ہو اور کفار یہ نہ سمجھیں کہ شکست کی وجہ سے مسلمانوں میں مقابلہ کی طاقت نہیں رہی۔

آپ کا یہ اندیشہ بالکل صحیح نکلا کیونکہ ابوسفیان نے مقام روحاء میں پہنچ کر سرداروں کے مشورہ سے پھر مدینے کی طرف پلٹنے کا ارادہ کیا تھا تاکہ مسلمانوں کا بالکل استیصال کرکے مکہ کو واپس جائیں، لیکن جب ان کو یہ خبر ملی کہ آں حضرتؐ مع اپنے اصحاب کے اُن کے تعاقب میں نکلے ہیں تو اپنے ارادے سے باز رہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب حمراء الاسد سے واپس ہوئے تو راستے میں شعر جمحی شاعر جس نے کفار کو اپنے اشعار سے مسلمانوں سے لڑنے کے لئے برانگیختہ کیا تھا۔ ہاتھ لگ لیا۔ ہر چند اس نے معافی مانگی لیکن فرمایا کہ اب میں نہیں چھوڑوں گا کہ تو جاکر مکہ میں یہ کہے گا کہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دوبارہ فریب دے کر رہائی حاصل کی۔ چنانچہ وہ قتل کیا گیا۔

غزوہ احد کے متعلق سورۂ آل عمران کی ۶۰ آیتیں نازل ہوئیں۔
اللہ تعالےٰ نے ان آیات میں ہزیمت پر مسلمانوں کی تعزیت کی اور اُن کو صبر کی تلقین فرمائی اور جس کم زوری کا اُن سے اظہار ہوا تھا یعنی آں حضرتؐ کے حکم کے خلاف درّہ کو چھوڑ کر وہ غنیمت پر ٹوٹ پڑے تھے اس میں لطیف پیرایہ میں ملامت کی۔ اور امام کے حکم کی مخالفت کو نظام فوجی کی روح کے منافی قرار دے کر فرمایا کہ شکست کا حقیقی سبب یہی تھا۔ منافقوں سے جو مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ کر واپس چلے آئے تھے بیزاری کا اظہار کیا اور بد حواسی میں جو لوگ بھاگے تھے اُن کی معافی کا اعلان کیا۔ ان لوگوں کے اُخروی انعام کا ذکر فرمایا جو اس جنگ میں شہید ہوئے اور کہا کہ ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ ہمارے پاس زندہ ہیں اور خوش ہیں۔ آخر میں ان لوگوں کی مدح فرمائی جو زخموں سے چور ہونے کے باوجود دوسرے دن کفّار کے تعاقب میں نکلے۔

واقعہ رجیع

قبیلہ خزیمہ کی دو شاخوں عضل اور قارہ کے چند آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہا کہ ہمارے یہاں کچھ لوگ مسلمان ہو گئے ہیں۔ اگر آپ چند صحابہؓ کو بھیج دیں کہ وہ ان کو اسلام اور قرآن کی تعلیم دیں تو بہت مناسب ہو۔ آں حضرتؐ نے مرثد غنویؓ کو مع پانچ آدمیوں کے اُن کے ساتھ کر دیا۔ ان لوگوں نے مقام رجیع میں پہنچ کر غدّاری کی اور قبیلہ ہذیل کے دو سو آدمیوں کو ان صحابہؓ کے قتل کے لئے بلا لائے۔ یہ لوگ ان کو دیکھ کر گھبرائے اور مجبوراً تلواریں لے کر مدافعت کے لئے کھڑے ہو گئے۔ کافروں نے فریب دینے کے لئے ان سے کہا کہ ہم تم کو امان دیتے ہیں قتل کرنا نہیں چاہتے صرف مطلب یہ ہے کہ تمہارے ذریعے سے مکہ والوں سے ہم کو کچھ وصول ہو جائے۔ مسلمانوں نے امان نہیں قبول کی۔ تین آدمی لڑ کر شہید ہو گئے، باقی تین کو اُنھوں نے پکڑ لیا۔ ایک کو راستے میں

مار ڈالا اور دو کو جن کے نام خبیبؓ اور زیدؓ تھے مکہ میں لے جاکر قریش کے ہاتھ بیچ دیا۔

حضرت زید کو صفوان بن اُمیّہ نے خرید اتھا۔ جب مکہ سے باہر لے جاکر ان کو قتل کرنے لگے تو ابوسفیان نے پوچھا کہ زید اگر تمھاری جگہ پر یہاں آج محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) قتل کیے جاتے اور تم اپنے گھر میں آرام سے رہتے تو کیا خوش نہ ہوتے۔ انھوں نے کہا کہ اللہ گواہ ہے کہ مجھے یہ بھی گوارا نہیں کہ میں اپنے گھر میں بیٹھا رہوں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں میں ایک کانٹا بھی چبھے۔

ابوسفیان بولے کہ کسی شخص کو میں نے ایسا نہیں دیکھا کہ اس کے ساتھی اس کو اس قدر عزیز رکھتے ہوں، جس قدر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب ان کو عزیز رکھتے ہیں۔

حضرت خبیبؓ نے اُحد کی لڑائی میں حارث کو قتل کیا تھا۔ حارث کے بیٹوں نے ان کو مول لیا، جب قتل کرنے لگے تو انھوں نے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت مانگی۔ فارغ ہوئے تو فرمایا کہ میں دیر تک پڑھتا اور دعا مانگتا، لیکن تم کہو گے کہ موت سے ڈرتا ہے۔

اسی وقت سے یہ دستور ہو گیا کہ کوئی مسلمان جب قتل ہونے لگتا ہے تو دو رکعت نماز پڑھ لیتا ہے۔

بئر معونہ

صفر ۴ھ میں ابو براء عامری آں حضرتؐ سے ملنے آئے۔ آپؐ نے ان کے سامنے اسلام کو پیش کیا وہ نہ اسلام لائے نہ اس کی مخالفت کی لیکن یہ کہا کہ اگر آپ چند صحابہ کو نجد کی طرف بھیج دیں تو مجھے اُمید ہے کہ وہاں کے لوگ اس دین کو قبول کرلیں گے۔ آں حضرت نے فرمایا کہ مجھے خوف ہے کہ نجد والے ان کو

نہ مار ڈالیں ۔ ابو براء نے کہا کہ میں ان کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں ۔ آپ نے منذر بن عمر کے ساتھ چالیس آدمی روانہ کیے کہ قبائل نجد میں تبلیغ اسلام کریں ان لوگوں نے مقام بئر معونہ میں پہنچ کر وہاں کے رئیس عامر بن طفیل کے پاس حرام بن ملحان کے ہاتھ آں حضرت ؐ کا خط بھیجا ۔ عامر نے نخوت میں آکر حرام کو مار ڈالا اور قبیلہ بنی عامر سے کہا کہ جا کر مسلمانوں کو قتل کر ڈالو ۔ ان لوگوں نے کہا کہ جب ابو براء نے ان کو اپنی حمایت میں لیا ہے تو ہم کیسے قتل کر سکتے ہیں ۔ عامر نے بنی سلیم کے قبائل کو پکارا ۔ وہ آکر جمع ہوئے ان کو ساتھ لے کر خود مسلمانوں پر حملہ کیا اور ان کی فرودگاہ میں اچانک پہنچ کر سب کو قتل کر دیا صرف دو آدمی بچ سکے ایک تو عمرو بن اُمیّہ جن کو عامر نے پکڑ لیا تھا لیکن یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ میری ماں نے ایک غلام کو آزاد کرنے کی منت مانی تھی ۔ دوسرے کعب بن زید کہ زخمی ہو کر لاشوں کے نیچے دب گئے تھے اور دشمن ان کو مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے ، جب ہوش آیا تو وہاں سے اُٹھ کر چلے آئے ۔

عمرو بن اُمیّہ مدینہ واپس آ رہے تھے کہ راستے میں ان کو قبیلہ بنی عامر کے دو آدمی ملے ۔ ان دونوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امانت نامہ لکھ کر دیا تھا لیکن عمرو کو کیا خبر یہ بنی عامر سے چلے ہوئے تھے ۔ دونوں کو بے خبری میں قتل کر ڈالا اور مدینے میں آکر تمام ماجرا سنایا ۔

آں حضرت ؐ کو مسلمانوں کے اس طرح قتل ہو جانے کا نہایت صدمہ ہوا فرمایا : کہ یہ سب ابو براء کی وجہ سے ہوا مجھے تو پہلے ہی سے اس کا خطرہ تھا ۔

عمرو نے جب دونوں آدمیوں کو قتل کر دیا تو ان کے بارے میں ارشاد فرمایا : کہ ان کا خون بہا مجھے دینا ہوگا ۔

بنی نضیر

آں حضرتؐ نے بنی عامر کے دونوں قتیلوں کا خوں بہا ادا کرنے کے لئے یہود کے قبیلہ بنی نضیر سے امداد طلب کی۔ کیونکہ معاہدہ باہمی کی رو سے اس میں اُن کی شرکت لازمی تھی۔ چنانچہ اُن کے یہاں تشریف لے گئے وہ لوگ بظاہر تو مدد دینے کی تیاری کرنے لگے لیکن درپردہ اس فکر میں پڑے کہ آپ کو جاں سے مار ڈالیں سرورِ عالمؐ ایک دیوار کے سایے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے ایک یہودی کو کوٹھے پر چڑھا دیا کہ اوپر سے سر پر ایک پتھر گرا دے کہ ہلاک ہو جائیں اللہ تعالےٰ نے اُن کے اِس ارادے کی آپ کو اطلاع دیدی اسی وقت مدینے کو واپس چلے آئے اور صحابہ کو ان کی غدّاری سے مطلع کیا۔

بنی نضیر نے پھر آپ کو بلایا۔ آپ نے فرمایا کہ ہم کو تمھارے اوپر بھروسہ نہیں رہا۔ تم لوگ از سرِ نو عہد نامہ لکھو مگر وہ اس پر رضا مند نہ ہوئے۔ یہود کا دوسرا قبیلہ بنی قریظہ تھا اُن کے ساتھ آپ نے معاہدہ کی تجدید کرنی چاہی وہ راضی ہو گئے لیکن بنی نضیر کے پاس چونکہ مضبوط قلعے تھے اور مدینے کے منافقین بھی درپردہ اُن کے ساتھ ملے ہوئے تھے اس لئے وہ سرکشی پر آمادہ ہو گئے۔

آں حضرتؐ ربیع الاول سنہ ۴ھ میں صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ ان سے لڑنے کے لئے نکلے۔ وہ اپنے قلعوں میں بیٹھ رہے۔ دو ہفتہ کے محاصرے کے بعد اُنھوں نے درخواست کی کہ ہم اپنا مال و اسباب لے کر یہاں سے چلے جائیں گے بشرطیکہ ہماری جان محفوظ رہے۔ آں حضرتؐ نے اس کو منظور فرمایا وہ لوگ اپنا مال متاع اونٹوں پر لاد کر کچھ خیبر میں اور کچھ شام میں چلے گئے۔

اس واقعے کے متعلق پوری سورہ حشر نازل ہوئی۔ اس میں منافقین کی پردہ دری کی گئی کہ انھیں لوگوں نے دم دے کر بنی نضیر کو سرکش بنا رکھا تھا پھر

جو مال وہ چھوڑ گئے تھے۔ اس کے بارے میں فرمایا کہ اس کا وہی حکم ہے جو خمس غنیمت کا ہے۔

ذات الرقاع

جمادی الاول سنہ ۴ھ میں قبیلہ غطفان نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ سرور دو عالم صحابہ کو لے کر ان کے مقابلے کے لئے گئے۔ ان کا اجتماع ایک نخلستان میں تھا، جب مسلمان اس کے قریب پہنچے تو وہ لوگ خوف سے متفرق ہو گئے اور لڑائی نہیں ہوئی۔

بدر دوم

شعبان سنہ ۴ھ میں حسبِ وعدہ آں حضرتؐ مع صحابہ کے مقام بدر میں پہنچے ابوسفیان بھی قریش کو لے کر مکہ سے نکلے عفان کے قریب پہنچ کر کہا کہ اس سال چونکہ قحط ہے اس لئے چلنا مناسب معلوم نہیں ہوتا نہ ہم کو پانی ملے گا نہ گھوڑوں کو چارہ یہ کہہ کر پھر مکہ پلٹ گئے۔

غزوۂ خندق

بنی نضیر کے جو لوگ خیبر میں جا کر رہے تھے ان میں سے بعض سردار بنی وائل کی ایک جماعت کو اپنے ہمراہ لے کر مکہ پہنچے اور قریش کو اپنے ساتھ اس بات پر متفق کیا کہ مسلمانوں کو نیست و نابود کر دیں۔ پھر غطفان کے قبیلے سے بھی یہی کہا۔ چنانچہ قریش اور غطفان دونوں اپنی پوری طاقت کے ساتھ اسلام کو مٹانے کے لئے نکلے۔ قریش کے سپہ سالار ابوسفیان اور غطفان کے عیینہ بن حصن فزاری تھے۔ دونوں کی مجموعی تعداد ۲۴ ہزار تھی۔ بنی نضیر اور بنی وائل کے لوگ بھی ساتھ ہو گئے۔

چونکہ اس میں عرب کے متعدد قبائل متحد ہو گئے تھے اس لئے اس کو جنگ احزاب کہتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے مشورہ لیا۔ حضرت سلمانؓ فارسی نے رائے دی کہ مدینے سے باہر نکل کر مقابلہ کریں اور کھلے میدان کے بجائے اپنی حفاظت کے لئے ارد گرد خندق کھود دیں۔ اہل عرب گو کبھی خندق کھود کر مورچہ بندی کرنے سے واقف نہ تھے۔ لیکن آں حضرتؐ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور ۸ ذیقعد سنہ ۵ھ کو تین ہزار مسلمانوں کے ساتھ مدینہ سے باہر نکلے۔ پانچ ہاتھ گہری خندق اسلامی لشکر کے ارد گرد چاروں طرف کھود دی گئی۔

قریش اور غطفان وغیرہ کوہ اُحد کے متصل پہنچ کر خیمہ زن ہوئے۔

بنی نضیر کا سردار حیی بن اخطب بنی قریظہ کے رئیس کعب بن اسد کے پاس آیا اور کہا کہ میں اب کے اس قدر جنگ آوروں کو فراہم کر کے لایا ہوں کہ مسلمان ہرگز اُن کے مقابلے کی طاقت نہیں لا سکتے تم بھی ہمارا ساتھ دیدو اس نے کہا کہ میں محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے معاہدہ کر چکا ہوں۔ اور اب تک اُن سے بجز وفاداری کے کوئی دوسری بات نہیں دیکھی۔ اس لئے عہد کو نہیں توڑ سکتا لیکن ابن اخطب نے اس قدر اصرار کیا اور اس کو ایسا سبز باغ دکھایا کہ آخر وہ معاہدہ کی خلاف ورزی کر کے دشمنوں کے ساتھ مل گیا۔

آں حضرت کو جب اس کی خبر ملی تو قریش اور غطفان کے معاملے سے بھی زیادہ اس کا اندیشہ ہوا، اس لئے کہ بنی قریظہ پڑوسی تھے ان کی خیانت اور بدعہدی سے نقصان کا زیادہ احتمال تھا۔ آپ نے دو انصاری سرداروں حضرت سعد بن معاذؓ اور سعد بن عبادہؓ کو جو زمانہ جاہلیت میں بنی قریظہ کے حلیف تھے بھیجا کہ جا کر اس واقعہ کی اصلیت دریافت کریں۔ یہ دونوں حضرات

جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ واقعی انھوں نے پیمان توڑ ڈالا ہے اور لڑائی کی تیاری میں ہیں۔ حضرت سعد بن معاذؓ نے ان کو سخت سست کہنا شروع کیا لیکن سعد بن عبادہؓ نے کہا کہ جانے دو۔ ہمارے اور اُن کے درمیان جو معاملہ ہے وہ اس زبانی جھگڑے سے بہت بڑھ کر ہے۔

جب اُن لوگوں نے آکر اس خبر کی تصدیق کی تو آں حضرتؐ کو سخت قلق اور اضطراب ہوا۔ اس زمانے میں مسلمانوں کی مصیبت انتہا کو پہنچ گئی تھی تین تین دن کا فاقہ خندق کی کھدائی۔ سرما کی سختی اور ہر طرف سے دشمنوں کا نرغہ۔

اللہ تعالےٰ نے ان کی حالت کا نقشہ کھینچا ہے:

اِذْ جَاءُوْكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ھُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ط

جب دشمن بلندی اور پستی کی طرف سے تم پر آئے آنکھیں پتھرانے لگیں اور دل مُنہ تک اُچھلنے لگا۔ اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ تب مسلمانوں کی آزمائش کا وقت آگیا۔ اور سخت زلزلہ ان پر طاری ہو گیا۔

منافقین کا نفاق ظاہر ہونے لگا اور اپنے گھروں کی محافظت کے بہانے سے کھسکنے لگے۔

اسی سختی اور مصیبت کی حالت میں مسلمانوں کو بیس دن سے زیادہ گذر گئے آں حضرتؐ نے دشمنوں میں تفرقہ ڈالنے کے لئے غطفان کے رئیس عیینہ کے ساتھ گفتگو شروع کی کہ اگر تم اپنے قبیلے کو لے کر واپس چلے جاؤ تو ہم مدینے کی پیداوار کا ایک تہائی حصہ سالانہ تم کو دیتے رہیں گے اس نے قبول کر لیا لیکن قبل اس کے کہ کوئی عہدنامہ ہو آپ نے انصار کے دونوں سردار حضرت سعد بن معاذؓ اور

سعد بن عبادہؓ کو بلا کر اس کا ذکر کیا۔ اُنھوں نے کہا یا رسول اللہؐ! آپ اللہ کے حکم سے ایسا کرتے ہیں یا اپنی رائے سے؟ آپؐ نے فرمایا: کہ نہیں بلکہ اپنی رائے سے اُنھوں نے کہا کہ جب ہم مشرک اور بُت پرست اور اللہ کی معرفت اور اُس کی عبادت سے ناواقف تھے۔ اس وقت بھی اُن کا یہ حوصلہ کبھی نہ ہوا کہ مدینے کا ایک خرما بھی بلا قیمت لے سکیں۔ اب جبکہ ہم کو اللہ تعالےٰ نے آپ کے ذریعے سے ہدایت اور عزت دی تو ہم اُن کو مدینے کی تہائی پیداوار مُفت میں دیدیں یہ ہم سے کبھی نہ ہوگا۔ سوائے تلوار کے اُن کے لئے ہمارے پاس اور کچھ نہیں ہے۔ یہ سُن کر آپ مطمئن ہو گئے۔ اور عہد نامہ نہیں لکھا۔

اس درمیان میں ایک دن قریش کے چند نوجوان جنگ کے جوش میں گھوڑے دوڑاتے ہوئے مسلمانوں پر حملے کے لئے بڑھے۔ ایک مع گھوڑے کے خندق میں گر کر ہلاک ہوا۔ دوسرے کو مسلمانوں نے پکڑ کر قتل کر ڈالا اور بعض خندق کے پار........ نکل آئے۔ اس میں سے عمرو بن ودعرب کا نامی شہسوار تھا۔ حضرت علیؓ نے پہنچ کر اس کو قتل کیا۔ کفار خندق کے باہر سے تیر برساتے رہے اور دن بھر لڑائی کا سلسلہ جاری رہا۔

مسلمانوں نے عورتوں اور بچوں کو ایک محفوظ قلعہ میں رکھ چھوڑا تھا بنی قریظہ کا ایک یہودی اس کے قریب آ کر حملے کا سُراغ لگا رہا تھا۔ آں حضرتؐ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ نے اس کو دیکھ لیا حسان بن ثابت سے جو دربار نبویؐ کے شاعر تھے اور عورتوں کے ساتھ چھوڑ دیے گئے تھے کہا کہ باہر نکل کر اُس کو قتل کرو۔ حسان میں جرأت نہ تھی اُنھوں نے جواب دیا کہ میں اس کام کا نہیں ہوں۔ آخر خود حضرت صفیہؓ نے نکل کر ایک ایسا لٹھ مارا کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ اور وہ مرگیا۔ پھر اُنھوں نے حسان سے کہا کہ تم اس کے ہتھیار اُتار لاؤ۔ لیکن وہ

اس پر بھی رضامند نہ ہوئے۔ حضرت صفیہ مجبوراً خود گئیں۔ اس کے ہتھیار لئے
اور اس کا سر کاٹ کر دوسری طرف جہاں اور یہودی کھڑے تھے نیچے پھینک دیا۔
یہ دیکھ کر وہ ڈر گئے اور سمجھے کہ یہاں کچھ محافظ ہیں۔

مسلمان اس محاصرہ اور مصیبت سے تنگ آکر دعا کرتے تھے۔ آخر ایک
دن رات کو نعیم بن مسعود جو غطفان کے ہر دل عزیز اور ممتاز رئیس تھے آں حضرت
کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یارسول اللہؐ۔ میں سچے دل سے مسلمان ہو گیا
ہوں۔ لیکن میری قوم کو ابھی تک اس کا مطلق علم نہیں۔ اس لئے آپ مجھے جو کچھ حکم دیں
میں اس کی تعمیل کے لئے حاضر ہوں۔

آں حضرتؐ نے فرمایا کہ ایک آدمی سے بجز اس کے کیا ہو سکتا ہے کہ جہاں
تک ہو سکے دشمنوں میں تفرقہ ڈالے۔ جنگ میں اس قسم کی دراندازی جائز ہے
یہ سن کر وہ واپس چلے گئے اور بنی قریظہ کے سرداروں کو جو اُن کے پرانے
دوست تھے بلا کر کہا کہ میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تم نے کچھ سوچا بھی ہے کہ کیا کر رہے
ہو۔ میں تمھارا خیر خواہ اور قدیمی دوست ہوں۔ صاف صاف کہتا ہوں
کہ قریش کی حالت تمھاری حالت سے بالکل مختلف ہے۔ وہ نہ یہاں کے باشندے
ہیں نہ یہاں اُن کے اموال و اولاد ہیں۔ اگر وہ محاصرہ اُٹھا کر چلے گئے تو پھر
اکیلے مسلمانوں کے مقابلے کی طاقت کہاں سے لاؤ گے۔ اس لئے میں تمھاری خیر خواہی
کے لحاظ سے مشورہ دیتا ہوں کہ قریش کے چند سرداروں کو اپنے پاس بطور ضمانت
کے لے کر رہن رکھ لو تاکہ پھر وہ تمھارا ساتھ چھوڑ کر بھاگ نہ سکیں۔ یہود کے دل
میں یہ بات بیٹھ گئی۔

اس کے بعد نعیم اُٹھ کر روسار قریش کے پاس گئے اور ابو سفیان وغیرہ
سے کہا کہ اس وقت رات کو مجھے ایک راز کی بات معلوم ہوئی۔ چونکہ تمھارا دوست

اور قدیمی خیرخواہ ہوں اس لئے میں نے اپنا فرض سمجھا کہ تم کو اس سے مطلع کردوں ایسا نہ ہو کہ فریب میں آجاؤ۔ اور وہ یہ ہے کہ بنی قریظہ کا محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ عہدنامہ تھا وہ اس کے خلاف ہمارے ساتھ اس جنگ میں شریک ہو گئے اب انھوں نے خوف زدہ ہو کر اُن کے پاس کہلا بھیجا ہے کہ ہم عہد شکنی پر نادم ہیں اور پھر معاہدہ کرنا چاہتے ہیں۔ مزید اطمینان کے لئے قریش اور غطفان کے چند سرداروں کو ہم آپ کے حوالے کریں گے۔ ضرورت ہے کہ ہم لوگ متحد ہو کر یہاں سے اُن کو نکال دیں۔ ورنہ وہ مدینہ اور اطراف مدینہ سب پر قبضہ کرلیں گے۔

پھر اُنھوں نے غطفانی رئیسوں کو جمع کر کے یہی اُن سے کہا:

شنبہ کی رات کو قریش اور غطفان نے **عکرمہ بن ابی جہل** کو چند آدمیوں کے ہمراہ بنی قریظہ کے پاس بھیجا کہ یہاں پڑے پڑے ہمارے اونٹ اور گھوڑے مر رہے ہیں اور آدمی تکلیف اُٹھا رہے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ صبح کو نکل کر جو کچھ کرنا پڑے کر ڈالیں۔

بنی قریظہ کے سرداروں نے جواب دیا کہ کل تو سبت کا دن ہے جس میں ہم کوئی کام نہیں کرتے، علاوہ بریں ہم اس وقت تک لڑائی نہیں کریں گے۔ جب تک تم اپنے سرداروں کو بطور ضمانت کے ہمارے حوالے نہ کرو۔ کیونکہ ہم کو شبہ ہے کہ تم لوگ کہیں ہم کو مسلمانوں کے مقابلے میں تنہا چھوڑ کر اپنے اپنے گھروں کو واپس نہ چلے جاؤ۔

قریش اور غطفان کو یہ سن کر نعیم کی بات کا یقین ہو گیا۔ اُنھوں نے بنی قریظہ کو کہلا بھیجا کہ ہم اپنے کسی آدمی کو تمھارے حوالے نہیں کر سکتے اگر تمھیں لڑنا ہے تو نکل کر ہمارا ساتھ دو۔ بنی قریظہ نے کہا کہ جب تک ہمارا اطمینان نہ کر دیا جائے

ہم لڑائی میں ساتھ ہرگز نہیں دے سکتے۔ اس کی وجہ سے باہم بد دلی پھیل گئی علاوہ بریں جاڑے کی راتیں تُند آندھیوں کے جھونکے اتنی بڑی جمعیت کے لئے سامانِ رسد کی فراہمی کی دشواری۔ ان سب باتوں سے قریش تنگ آگئے تھے۔

آں حضرت نے جب یہ خبریں سُنیں تو حضرت حذیفہؓ کو تجسسِ حال کے لئے بھیجا۔ رات کو جاکر وہ قریش میں مل گئے۔ ابو سفیان نے سب کو مخاطب کرکے پہلے یہ کہا کہ ہر شخص اپنے اپنے پاس والے کو دیکھ لے کہ ہم میں کوئی اجنبی تو نہیں ہے۔ حضرت حذیفہ نے فوراً اس شخص کا ہاتھ پکڑ لیا جو اُن کے قریب بیٹھا تھا اور پوچھا کہ تم کون ہو اس نے کہا کہ میں فلاں بن فلاں ہوں۔

اس کے بعد ابوسفیان نے کہا کہ ہم یہاں اپنے گھروں سے باہر پڑے ہوئے ہیں۔ آدمی اور جانور سب تباہ اور خستہ حال ہوگئے۔ آندھیوں کی وجہ سے آگ جلانا اور کھانا پکانا محال ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں۔

یہ کہہ کر وہ اپنے اونٹ پر سوار ہوئے اور سب لوگ اُن کے ساتھ روانہ ہوگئے

اس طرح پر اللہ تعالےٰ نے مصیبت کی اس کالی گھٹا کو مسلمانوں کے سروں پر سے ہٹا دیا۔ اس احسان کا قرآن میں بھی ذکر فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ	اے مسلمانو! اللہ کی اس نعمت کو یاد رکھو کہ جب
اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا	تمھارے اوپر فوجیں آئیں تو ہم نے اُن پر آندھی بھیجی
عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا وَرَدَّ	اور وہ لشکر بھیجے جن کو تم نہیں دیکھتے تھے
اللّٰهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوا	اللہ تعالےٰ نے ان کافروں کو غصہ میں بھرا

خَیۡرًا ؕ وَکَفَی اللّٰہُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ الۡقِتَالَ ؕ نامراد واپس کیا اور مسلمانوں کو لڑنے سے بچا لیا۔

بنی قریظہ

اس واقعہ میں مسلمانوں کی مُصیبت کو جس چیز نے سب سے زیادہ ہیبت ناک بنا دیا تھا وہ بنی قریظہ کی بدعہدی تھی۔ لہٰذا اب ان کو اس کی سزا دینی لازمی تھی۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر فوج کشی کی اُنھوں نے بجائے ندامت اور پشیمانی کے اظہار کے مقابلہ کیا اور اپنے قلعوں میں پناہ لے کر بیٹھ گئے۔ ۲۵ دن تک محصور رہنے کے بعد درخواست کی کہ حضرت سعدؓ بن معاذ ہمارے بارے میں جو حکم دیں وہ ہم کو منظور ہے۔ کیونکہ وہ اُن کے قدیمی حلیف تھے۔ آنحضرتؐ نے اس کو قبول کیا حضرت سعدؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ ان میں سے لڑنے والے قتل کئے جائیں۔ عورتیں اور بچے قید ہوں اور مال ومتاع غنیمت قرار دیا جائے چنانچہ ان کے چار سو مرد قتل کئے گئے۔ ایک عورت بھی جس نے ایک مُسلمان کے اوپر پتھر گرا کر اس کو شہید کر ڈالا تھا قصاص میں ماری گئی۔

عجیب بات یہ ہے کہ اُدھر ان یہودیوں کے بھائیوں پر بھی جو نواح مدینہ سے شام میں جلاوطن کئے گئے تھے ہرقل کے ہاتھ سے موت کا دور چل رہا تھا کیونکہ ایرانیوں کے غلبہ کے زمانے میں انھوں نے شام کے عیسائیوں کے ساتھ بدسلوکی کی تھی۔ جب ہرقل نے پھر فتح پائی تو اُن کو اچھی طرح سزا دی۔

غزوۂ خندق میں کل چھ مسلمان شہید ہوئے ان میں سے ایک حضرت سعد بن معاذ رئیس انصار بھی ہیں۔ ان کی رگ اکحل میں ایک تیر آلگا تھا اُس سے خون جاری رہتا تھا۔ بنی قریظہ کا فیصلہ کرنے کے بعد اسی زخم سے وفات پائی۔ مشرکین کے کشتوں کی تعداد تین تھی۔

اس واقعہ کا پورا بیان سورۂ احزاب میں نازل ہوا۔ بنی قریظہ کو اُن کے

قلعوں سے نکال کر قتل اور قید کرنے کا بھی ذکر کر دیا۔

اس جنگ کے بعد قریش کے دو نامی سردار حضرت عمرو بن عاصؓ اور خالد بن ولیدؓ مدینہ میں آکر اسلام لائے۔

اہلِ عرب اس لڑائی کے بعد مسلمانوں کے مقابلے کے لئے ڈھیلے پڑ گئے۔ چنانچہ اس جوش کے ساتھ پھر کبھی نہیں اُٹھے۔

بنی لحیان

آنحضرتؐ جمادی الاولیٰ سنہ ۶ھ میں بنی لحیان سے اصحاب رجیع کا بدلہ لینے کے لئے تشریف لے گئے۔ لیکن وہ لوگ ڈر کے مارے پہاڑوں میں بھاگ کر چھپ رہے اس لئے واپس چلے آئے۔

ذی قرد

مدینے میں آکر چند روز ٹھہرے تھے کہ غطفان کا سردار عیینہ چند سواروں کے ساتھ مدینے کے اطراف میں آیا، اور آں حضرت کے اونٹ ہانک لے چلا۔ ایک غفاری شخص ان اونٹوں کا چرواہا تھا اس کو قتل کر دیا اور اس کی بیوی کو پکڑ لیا۔

حضرت سلمہؓ ایک صحابی جو تیر اندازی میں ماہر تھے اس غارت گری کو دیکھ کر مدد کے لئے چلائے اور خود ان کے پیچھے لپکے۔ تیر چلاتے تھے۔ دشمن اُن کو اکیلا دیکھ کر ان کی طرف پلٹتے تھے۔ وہ پیچھے بھاگتے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ اس تدبیر سے اُن کو پھنسلائے رکھیں کہ کسی طرف سے مدد آجائے۔

مدینے میں سلمہؓ کی آواز آں حضرتؐ نے سُنی۔ چند آدمیوں کو سعد بن زیدؓ کے ساتھ دوڑایا اور پیچھے سے خود بھی پہنچ گئے۔ بنی غطفان کے لوگ بھاگ گئے چند اونٹ اُن سے چھین لئے گئے اور ان کا ایک آدمی قتل کیا گیا۔ آں حضرتؐ ایک رات دن مقام ذی قرد میں رہے، پھر مدینہ کو واپس آئے۔

بنی مُصطلق

شعبان ۵ھ میں یہ اطلاع ملی کہ بنی مصطلق کا سردار حارث بن ضرار اپنے قبیلے کے لوگوں کو لے کر مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ یہ سُن کر آں حضرت مدینے سے نکلے۔ مقام قدید کے قریب پہنچ کر اُن سے مقابلہ ہوا۔ وہ شکست کھا گئے ان کا مال، اُن کی اولاد اور عورتیں سب مسلمانوں کو غنیمت میں ملیں، اور تقسیم کر دی گئیں۔

رئیس قوم یعنی حارث کی جویریہؓ تھیں۔ اِن سے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر لیا۔ صحابہؓ نے یہ دیکھ کر کہ بنی مصطلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار ہو گئے۔ ان تمام لونڈیوں اور غلاموں کو آزاد کر دیا جو ان کی تقسیم میں ملی تھیں۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جویریہ کے نکاح کی بدولت ان کا سارا قبیلہ آزاد ہو گیا۔ کوئی لڑکی اپنے خاندان کے لئے اس سے زیادہ مبارک کیا ہو گی۔

واقعہ حدیبیہ

صحابہ اور نیز آں حضرتؐ کو بھی کعبہ کی زیارت کی خواہش تھی ادھر آپؐ نے رویا میں دیکھا کہ مسلمان مسجد حرام میں داخل ہو رہے ہیں اس لئے ذی قعدہ ۶ھ کو مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور اس خیال سے کہ کفار جنگ کا گمان نہ کریں عمرہ کا احرام باندھا اور قربانی کے اونٹ ساتھ لئے۔

قریش کو جب اس کی خبر ملی تو انھوں نے مدافعت کی تیاری شروع کی۔ آں حضرتؐ نے مکّہ کے قریب پہنچ کر مقام حدیبیہ میں قیام فرمایا۔

قریش کی طرف سے قبیلہ خزاعہ کے سردار بدیل بن ورقاء چند آدمیوں کے ہمراہ خدمت میں حاضر ہوئے اور آنے کی غرض دریافت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم صرف کعبہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں کسی سے لڑائی مقصود نہیں۔ انھوں نے قریش سے کہا۔ سرداران قریش نے جواب میں کہلا بھیجا کہ گو تم لوگ لڑنے کے لئے نہیں آئے ہو۔ لیکن ہم تم کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ ہم یہ ننگ گوارہ نہیں کر سکتے کہ تمام عرب میں یہ چرچا ہو کہ ہمارے دشمن زبردستی مکہ میں داخل ہو کر عمرہ کر گئے۔

پھر مکہ والوں نے حلیس بن علقمہ کنانی قبائل احابیش کے رئیس اعظم کو قاصد بنا کر بھیجا۔ اس نے جب قربانی کے اونٹ دیکھے تو اس کو یقین آگیا کہ مسلمان صرف عمرہ کے لئے آئے ہیں۔ چنانچہ وہ راستے ہی سے واپس گیا اور جاکر قریش کو اطلاع دی۔ انھوں نے کہا کہ تم بدو ہو تمھیں کیا خبر یہ سن کر اس کو غصہ آگیا اس نے کہا کہ اے جماعت قریش! ہم نے تمھارے ساتھ جو معاہدہ کیا ہے تم اس کی خلاف ورزی کر رہے ہو۔ جو شخص بیت اللہ کی تعظیم کے خیال سے اس کی زیارت کو آتا ہے تم کیوں اس کو روکتے ہو۔ مسلمانوں کو عمرہ کر لینے دو، ورنہ میں اپنے تمام قبیلے کو لے کر تم سے لڑوں گا۔ قریش نے اس کے غصہ کو ٹھنڈا کیا اور کہا یہ معاملہ بہت سخت ہے ہم کو اپنی منشا کے مطابق کام کرنے دو۔

قریش کے خود سر نوجوانوں کی ایک جماعت مکہ سے نکل کر وادی میں آگئی کہ موقع پاکر آں حضرت ؐ پر حملہ کرے لیکن صحابہ نے ان کو دیکھا اور گرفتار کر لیا، جب سامنے لائے تو رحمت عالم نے ان سب کو چھوڑ دیا۔

اس کے بعد عروہ بن مسعود سردار بنی ثقیف قریش کی طرف سے آں حضرت ؐ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ یہ بھیڑ اپنے ساتھ لے کر خود اپنی قوم کو مٹانے کے لئے

آئے ہیں! قریش مسلح ہوکر آرہے ہیں۔ ان لوگوں کو تاب نہیں کہ ان کے مقابلے میں ٹھہر سکیں۔ آپ کو چھوڑ کر گرد کی طرح اُڑ جائیں گے۔

عروہ کا یہ کلام مسلمانوں کو گراں گزرا حضرت ابوبکرؓ نے نہایت سخت جواب دیا۔ اس پر عروہ نے کہا کہ ابوبکر! تمھارا ایک احسان میری گردن پر ہے جس کو میں اب تک اتار نہیں سکا ہوں۔ ورنہ میں بھی سخت کلامی سے پیش آتا۔

آں حضرتؐ نے عروہ سے بھی وہی کہا کہ ہم صرف عمرہ کے لئے آئے ہیں۔ جنگ کا خیال نہیں ہے۔

عروہ نے یہ دیکھا کہ صحابہ آں حضرتؐ کے ساتھ ایسی شیفتگی رکھتے ہیں اور اس قدر تعظیم کرتے ہیں کہ نظر اُٹھا کر روئے مبارک کی طرف نہیں دیکھتے اور ان کے وضو کا جو پانی گرتا ہے اس کو لے کر آنکھ اور منہ پر مل لیتے ہیں۔ واپس جاکر قریش سے کہا کہ میں قیصر اور کسرٰی کے درباروں میں بھی گیا ہوں۔ لیکن میں نے کسی بادشاہ کو اپنے ساتھیوں میں اتنا محبوب اور باعزت نہیں دیکھا جس قدر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے اصحاب میں ہیں۔ وہ لوگ کسی طرح پر بھی اُن کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے۔ تمھارے دل میں جو آئے وہ کرو۔

چونکہ معاملہ ابھی طے نہیں ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو منتخب فرمایا کہ قریش کے پاس بھیجیں۔ اُنھوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! قریش کے ساتھ جس قدر سختی اور عداوت کا اظہار میں نے کیا ہے۔ اس سے وہ واقف ہیں۔ اس لئے ان کی طرف سے مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ علاوہ ازیں میرے قبیلہ بنی عدی کا بھی کوئی شخص مکہ میں موجود نہیں ہے جو مجھے پناہ دے۔ میری رائے یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ بھیجے جائیں کیونکہ وہ خاندان بنی اُمیّہ کے باعزت رکن ہیں۔

ان حضرتؐ نے اُن کی رائے کو پسند کیا۔ اور حضرت عثمانؓ کو قریش کے پاس سفیر بناکر بھیجا۔ جس وقت وہ مکہ میں داخل ہوئے تو اُن کے قبیلے کے ایک رئیس ابان بن سعید ان کو پناہ دے کر اپنے ساتھ لے گئے۔ انھوں نے سردارانِ قریش کو آں حضرتؐ کا پیغام پہنچایا۔ لوگوں نے کہا تم کو اگر خود کعبہ کا طواف کرنا ہے تو کرلو۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اُن کے اصحاب کو ہم مکہ میں نہیں آنے دیں گے حضرت عثمانؓ نے کہا کہ بلا آں حضرتؐ کے میں کیوں کر طواف کرسکتا ہوں۔

قریش نے حضرت عثمانؓ کو روک لیا۔ اُدھر مسلمانوں میں یہ خبر شائع ہوگئی کہ وہ قتل ہوگئے۔ آں حضرتؐ نے فرمایا اگر ایسا ہے تو جب تک ہم اُن کے خون کا بدلہ نہ لیں گے یہاں سے نہیں ٹلیں گے۔ یہ کہہ کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور تمام صحابہ سے جن کی تعداد تقریباً ڈیڑھ ہزار تھی جاں نثاری کی بیعت لی۔

اسی کا نام بیعتِ رضوان ہے۔ اس کا ذکر قرآن میں بھی ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

جب مسلمان درخت کے نیچے تمھارے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے تو اللہ تعالےٰ اُن سے راضی ہوگیا۔

لیکن حضرت عثمانؓ کے قتل کی افواہ غلط نکلی۔

قریش نے سہیل بن عمرو کو آں حضرتؐ کے پاس یہ کہہ کر بھیجا کہ صلح صرف اس طریق پر ہوسکتی ہے کہ امسال آپ مع اپنے ساتھیوں کے واپس چلے جائیں آئندہ سال آکر عمرہ کریں۔

جب وہ آئے تو آں حضرتؐ نے اُن کو دیکھ کر فرمایا کہ قریش نے جب اس شخص کو بھیجا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ارادہ مصالحت کا ہے۔ گفتگو کے بعد مندرجہ ذیل شرائط پر صلح طے ہوئی۔

(۱) مُسلمان اس سال واپس چلے جائیں۔ آئندہ سال آئیں اور سوائے تلوار کے کہ وہ بھی میان میں ہوگی اور کوئی ہتھیار لگا کر مکہ میں نہ داخل ہوں۔ اِن کو تین دن تک حرم میں ٹھہرنے کی اجازت ہوگی۔ اِن دنوں میں قریش باہر نکل جائیں گے۔

(۲) قبائل عرب میں سے مسلمان جس قبیلے سے چاہیں معاہدہ کریں اور قریش جن کو چاہیں اپنا حلیف بنائیں۔ اس معاملے میں دونوں فریق آزاد ہیں۔

(۳) اگر قریش میں سے کوئی شخص بلا اجازت اپنے ولی کے مسلمانوں کے پاس چلا جائے گا تو واپس کیا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی مسلمان قریش کے پاس آجائے گا تو واپس نہیں کیا جائے گا۔

(۴) فریقین میں دس سال تک لڑائی نہ ہوگی اور باہم امن وامان کے ساتھ رہیں گے۔

اس معاہدہ کی تیسری شرط بظاہر مسلمانوں کے لئے بہت سخت تھی۔ اور اتفاق یہ کہ جس وقت یہ عہدنامہ لکھا گیا اُسی وقت خود سہیل کے بیٹے ابوجندل جو مسلمان ہوگئے تھے مکّے سے کسی صورت سے بھاگ کر آں حضرتؐ کی خدمت میں آگئے۔ کافروں نے ان کو سخت سزائیں دی تھیں، اور اُن کے جسم پر جابجا زخم تھے۔ انھوں نے وہ زخم دکھلائے اور فریاد کی کہ اُن کے باپ کو آں حضرتؐ نے بہت سمجھایا کہ ان کو ہمارے ساتھ مدینہ جانے کی اجازت دیدو۔ لیکن وہ راضی نہیں ہوئے آخر عہدنامے کی شرط کے مطابق ان کو واپس کیا۔ بعض مسلمان یہ دیکھ کر تڑپ اُٹھے حضرت عمرؓ کو تابِ ضبط نہ رہی۔ آں حضرت کی خدمت میں پہنچ کر کہا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ نبی برحق نہیں؟ آپؐ نے فرمایا: بے شک میں نبی برحق ہوں۔ اُنھوں نے کہا کیا ہم مُسلمان نہیں؟ ارشاد ہوا کہ کیوں نہیں۔ پھر کہا کہ کیا وہ لوگ مشرک نہیں؟

فرمایا کہ ہیں۔ تب وہ بولے کہ ایسی حالت میں پھر ہم دین کے معاملے میں یہ ذلّت کیوں گوارا کریں ؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کا رسول ہوں اس کے حکم کی مخالفت نہیں کرسکتا، وہ مجھے ہرگز خوار نہ کرے گا۔

حضرت عمرؓ اس بیتابانہ جوش کے فرد ہونے پر اپنی اس جرأت پر بہت پشیمان ہوئے۔ زندگی بھر اُن کو اس کا افسوس رہا، اور اُس کے کفّارہ کے لئے توبہ اور استغفار کے علاوہ صدقے، خیرات، نیز بردے آزاد کرتے رہے۔

اس عہدنامے کے کاتب حضرت علیؓ تھے انھوں نے اسلامی قاعدے کے مطابق شروع میں "بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ" لکھی۔ سہیل نے کہا کہ عربی دستور کے موافق "بِاسۡمِكَ اَللّٰهُمَّ" لکھو۔ آں حضرت نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ اسی طرح لکھ دو۔ محمدؐ رسول اللہ کے لکھنے پر بھی سہیل کو اعتراض ہوا۔ اُنھوں کے کہا کہ اگر ہم آپ کو رسول تسلیم کرتے تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا صرف اپنا نام مع ولدیت کے لکھائیے آپؐ نے فرمایا کہ حقیقت یہ ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں خواہ تم لوگ مانو یا نہ مانو۔ اس کے بعد حضرت علیؓ سے کہا کہ اس لفظ کو مٹا دو۔ باوجود فرمانِ نبویؐ کے اُن کی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ رسول اللہ کے لفظ کو مٹائیں اور کہا کہ مجھ سے یہ نہ ہوسکے گا۔ اس پر خود آں حضرت صلعم نے اپنے ہاتھ سے اس کو مٹایا۔

عہدنامے کے مکمل ہونے کے بعد خزاعہ آں حضرتؐ کے حلیف ہوگئے، اور بنی بکر قریش کے مسلمانوں نے اسی مقام پر سر کے بال ترشے جامہ احرام اُتارے۔ قربانیاں کیں، اور پھر مدینے کو واپس ہوئے۔ اس واقعے کے متعلق پوری سورۂ فتح نازل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کی پہلی آیت میں اس صلح کو جس کو مسلمان

شکست خیال کرتے تھے ۔ فتح نمایاں کا لقب دیا۔ کیونکہ اب تک اہل عرب اور خاص کر قریش اسلام سے برسرِ پرخاش تھے۔ اس صلح سے امن ہوگیا اور لوگوں کو مسلمانوں سے ملنے اور اسلام پر غور کرنے کا موقع ملا۔ نیز دعوت اسلام کے لئے راستہ صاف ہوگیا۔ اور اہلِ اسلام بلا خوف و خطر قبائل میں آنے جانے لگے۔ آں حضرت نے بادشاہوں، امراء اور رؤسا قبائل کے ساتھ مراسلت شروع کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ کثرت کے ساتھ اسلام لانے لگے۔ اور مسلمانوں کی تعداد برابر بڑھنے لگی۔ اس لئے اس صلح میں کفّار کے ساتھ جو خفیف رعایت برتی گئی، اس کے مقابلے میں اس عظیم الشان نفع کا حاصل ہوجانا حقیقت میں فتح تھی۔ نیز اللہ تعالےٰ نے ان لوگوں سے رضامندی ظاہر کی۔ جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی۔ پھر وہ اسباب بیان فرمائے جن کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ سے احتراز کرنا پڑا۔ اس کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رویاء کے متعلق ارشاد کیا کہ وہ برحق ہے اور یقیناً تم مسجد حرام میں داخل ہوگے۔ لیکن اس سے پہلے تم کو یہ فتح عطا کر دی اور وہ وعدہ آئندہ پورا ہوکر رہے گا۔ آخر میں صحابہؓ کی مدح فرمائی اور توریت و انجیل سے اُن کی بہترین تمثیل اور تعریف نقل کی۔

معاہدہ کی تیسری شرط اللہ تعالےٰ نے سورۂ ممتحنہ میں صرف مردوں کے لئے محدود کر دیا اور فرمایا کہ اگر کوئی مسلمان عورت ہجرت کرکے چلی آئے تو اس کو واپس نہ کرو۔

کچھ دنوں کے بعد ایک مسلمان ابوبصیر کفّار کی سختیوں کی تاب نہ لاکر مکہ سے بھاگے، اور مدینہ میں آکر پناہ لی۔ قریش نے دو آدمی بھیج کر ان کو طلب کیا۔ آں حضرتؐ نے معاہدہ کی شرط کے مطابق ان دونوں کے ہمراہ اُن کو واپس

کردیا۔ ابوبصیر نے راستے میں ایک کو قتل کر ڈالا، دوسرا خوف کی وجہ سے بھاگ کر مدینے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور شکایت کی ابوبصیر بھی آگئے اور کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! آپ مجھے واپس کرکے بری الذمہ ہو گئے۔ اب جو کچھ میں نے کیا ہے اس کا ذمے دار میں خود ہوں۔ اس کے بعد وہ مدینے سے چلے گئے اور مقام عیص میں رہنے لگے۔

مکے کے ستم کش مسلمانوں کو جب معلوم ہوا کہ ابوبصیر نے اپنے قوت بازو سے ایک جائے پناہ بنالی تو وہ بھاگ کر انھیں کے ساتھ شامل ہوتے گئے اور جب ان کی جمعیت زیادہ ہوگئی تو قریش کے کاروانِ تجارت پر حملے کرنے لگے۔ مجبوراً اہل قریش نے آں حضرت ؐ کو لکھا کہ ہم معاہدہ کی شرطِ سوم سے باز آئے ایسے جو مسلمان مدینے میں چلا جائے ہم اس کی واپسی کے خواہاں نہیں ہیں اس بنا پر آپ نے عیص کے مسلمانوں کو جن میں ابوبصیر اور جندل وغیرہ تھے مدینے میں اپنے پاس بلا لیا۔

خیبر

صلح حدیبیہ کے بعد قریش کی طرف سے تو مسلمانوں کو اطمینان حاصل ہو گیا تھا لیکن خیبر کے یہود جن میں بنی نضیر اور بنی قریظہ کے لوگ جلا وطن ہو کر شامل ہو گئے تھے اسلام کے سخت دشمن تھے۔ انھوں نے عداوت اور سرکشی پر کمر باندھی دوسرے قبائل کو بھی مسلمانوں کے خلاف اُبھارنا شروع کیا اور مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری کرنے لگے۔ بنی غطفان کو یہ کہہ کر اپنے ساتھ شریک کیا تھا کہ مدینے کی کی نصف پیداوار تم کو دی جائے گی۔

اگرچہ خیبر کا فاصلہ مدینے سے دو سو میل ہے لیکن یہاں کے منافقین کو بھی در پردہ ان یہود نے ملا لیا تھا۔ ان منافقین جاسوسوں کی وجہ سے ان کو

مسلمانوں کی ایک ایک بات کی خبر ملتی رہتی تھی۔

آں حضرتؐ نے اس سیلاب کو بڑھتا ہوا دیکھ کر مقابلے کی تیاری کی اور محرم سنہ ھ میں تقریباً ڈیڑھ ہزار صحابہ کے ہمراہ جن میں سے دو سو سوار تھے مدینے سے روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر مقام رجیع میں جو قبیلہ غطفان اور خیبر کے بیچ میں ہے قیام فرمایا۔

یہود کے پاس چھ قلعے تھے مسلمانوں نے ان کو یکے بعد دیگرے فتح کرنا شروع کیا۔ بنی غطفان ان کی امداد کو نہ آئے۔

ان میں سے سب سے بڑا قلعہ قموص تھا۔ جس میں یہود کا مشہور شہسوار مرحب رہتا تھا۔ اس قلعہ کو فتح کرنے کی بڑے بڑے صحابہ نے کوشش کی، لیکن ناکام رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بلا کر علم عطا فرمایا۔ مرحب نے قلعے سے نکل کر جنگ کی۔ انھوں نے اس کو قتل کیا اور قلعہ فتح کر لیا۔

اہل خیبر نے درخواست کی کہ ہم یہاں کی نصف پیداوار سالانہ دیتے رہیں گے ہم سے صلح کر لی جائے۔ ان کی درخواست منظور کی گئی اور اسی شرط پر مصالحت ہوئی۔ یہ اختیار بھی باقی رکھا گیا کہ مسلمان جب چاہیں گے یہود کو یہاں سے نکال دیں گے۔

اس لڑائی میں ۹۳ یہودی مارے گئے اور ۱۵ مسلمان شہید ہوئے۔

فدک

جب واپس ہو رہے تھے تو وادی القریٰ میں فدک کے یہود نے مسلمانوں پر تیر اندازی شروع کی۔ ان کا بھی محاصرہ کیا گیا۔ آخر انھوں نے بھی خیبر والوں کی شرط پر صلح کی۔

عمرۂ حدیبیہ

صلح حدیبیہ کی شرط کے مطابق ذی قعدہ ۷ھ میں صحابہ کو ساتھ لے کر عمرہ کے لئے مکّہ کو تشریف لے گئے۔ قریش باہر نکل گئے۔ تین دن تک حرم میں رہ کر عمرہ اور طواف کر کے مدینہ واپس آئے۔

سریہ موتہ

سرورِ عالمؐ نے بادشاہوں کے نام جب خطوط روانہ کئے تو ایک خط شرجبیل بن عمرو غسّانی بادشاہ کے نام حارث بن عمیر ازدی کے ہاتھ بھیجا غسانی نے ان کو قتل کر ڈالا۔ جمادی الاولیٰ ۸ھ میں اُن کے قصاص کے لئے تین ہزار فوج مدینے سے روانہ کی۔ زید بن حارثہ کو اس کا امیر مقرّر کیا اور فرمایا: کہ اگر وہ شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالب امیر ہوں اور جو وہ بھی شہادت پائیں تو عبد اللہ بن رواحہ۔

غسانی نے اس کی خبر پا کر مقابلے کے لئے تقریباً ایک لاکھ فوج جمع کی اس زمانے میں ہرقل قیصر روم مقام مآب میں جو شام کی سرزمین بلقا میں واقع ہے ایک لاکھ فوج کے ساتھ خیمہ زن تھا۔ اُس نے بھی غسانی کی امداد کے لئے اپنے بعض اُمراء کو مع فوج کے بھیجا۔

مسلمان جب اس حدود میں پہنچے تو ایک گاؤں کے پاس جس کا نام موتہ تھا فروکش ہوئے۔ غنیم سے وہیں مقابلہ ہوا۔ حضرت زید لڑائی میں شہید ہو گئے۔ اس کے بعد جعفر بن ابی طالب نے علم اپنے ہاتھ میں لیا وہ بھی زخموں سے چور ہو کر گر پڑے۔ اُن کے جسم پر تقریباً سو زخم تھے اور سب سامنے کے حصے پر تھے۔ پشت کی طرف ایک بھی نہ تھا۔ ان کی شہادت کے بعد عبد اللہ بن رواحہ امیر ہوئے، اور انھوں نے بھی شہادت پائی۔ آخر میں خالد بن ولید نے علم

سنبھالا اور اس بہادری کے ساتھ لڑے کہ اُس دن آٹھ تلواریں اُن کے ہاتھ میں ٹوٹیں۔

اس روز انھوں نے اپنی جنگی مہارت کا کامل ثبوت دیا۔ دشمنوں کی اس قدر کثیر تعداد اور زبردست طاقت کے مقابلے میں بڑی شجاعت کے ساتھ لڑتے لڑتے اور پیچھے ہٹتے ہٹتے اپنی پوری فوج کو نہایت خوبی کے ساتھ ورطۂ ہلاکت سے باہر نکال لائے۔ کل ۱۲ مسلمان شہید ہوئے تھے۔ مزید مقابلے کی کوئی صورت نہ تھی۔ اس لئے مدینے واپس چلے آئے۔ آں حضرتؐ کو جعفرؓ کی جدائی کا بہت قلق ہوا۔

فتح مکہ

صلح حدیبیہ کے بعد خزاعہ آں حضرتؐ کے اور بنی بکر قریش کے حلیف ہو گئے تھے۔ ان دونوں قبیلوں میں باہم قدیمی عداوت تھی اور کچھ خون کے جھگڑے چلے آتے تھے۔ بنی بکر نے قریش کے معاہدے کے گھمنڈ میں خزاعہ سے لڑنے کی تیاری کی اور اپنے پرانے مقتولوں کا بدلہ لینا چاہا۔ قریش نے بھی اُن کے لئے ہتھیار فراہم کئے۔ اور اُن کے بعض بعض سردار لڑائی میں بھی بنی بکر کے ساتھ شامل ہوئے خزاعہ نے شکست کھا کر حدودِ حرم میں پناہ لی۔ بنی بکر کے سردار نوفل نے کہا کہ ایسا موقع پھر نہیں ملے گا۔ چنانچہ اِن کو حرم ہی میں قتل کیا جہاں خوں ریزی حرام تھی۔

عمرو بن سالم خزاعی دوڑے ہوئے مدینے میں آئے اور آں حضرتؐ سے فریاد کی کہ قریش نے عہد کو توڑ ڈالا۔ بنی بکر کو ہمارے مقابلے میں امداد دی

اور خاص حرم میں ہمارے آدمیوں کو قتل کیا اس کے بعد بدیل بن ورقاء خزاعی بھی اپنے قبیلے کی ایک جماعت کے ساتھ آپ کی خدمت میں پہنچے، اور ماجرا سُنا کر امداد کے طالب ہوئے۔

قریش اپنی غلطی سے دل میں خوف زدہ ہوئے۔ اُن کو یقین ہوگیا کہ مسلمان معاہدے کے مطابق خزاعہ کی امداد ضرور کریں گے۔ جنگ کی وہی مہیب صورت جس سے صلح کرکے دس برس کے لئے فراغت حاصل کی تھی۔ پھر اُن کی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگی۔ اس لئے انھوں نے اپنے رئیس **ابوسفیان** کو مدینے میں بھیجا کہ حدیبیہ کے معاہدے کی تجدید کریں۔ لیکن سرورِ عالم اس پر راضی نہیں ہوئے اور وہ ناکام واپس گئے۔

آپ نے مسلمانوں کو مکّہ کی تیاری کا حکم دیا اور احتیاط رکھی کہ قریش کو اُس کی خبر نہ ہونے پائے۔

ایک صحابی **حاطب** بن ابی بلتعہ نے قریش کو اس کی اطلاع دینے کے لئے ایک خط کسی عورت کے ہاتھ روانہ کیا آں حضرتؐ کو اس کا علم ہوگیا۔ وہ عورت اس راستے سے واپس لائی گئی اور اس کے پاس سے وہ خط برآمد ہوا۔

حاطب ایک بزرگ صحابی اور اہلِ بدر میں سے تھے۔ ان کی اس حرکت سے سب کو حیرت ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے جوش میں آکر کہا یا رسول اللہ! حکم دیجئے کہ اس منافق کی گردن اُڑا دوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمرؓ! اہلِ بدر کے گناہ اللہ تعالےٰ معاف کرچکا ہے۔ اس کے بعد حاطب سے اس کی وجہ دریافت کی۔ اُنھوں نے کہا کہ مکّہ میں چونکہ میرے اقربا ہیں اس لئے میں نے چاہا کہ اہلِ مکہ پر ایک احسان کردوں، تاکہ وہ اُن کو ضرر نہ پہنچائیں۔ رحمتِ عالم نے اس عذر کو قبول فرمالیا۔

۱۰ رمضان سہ شنبہ یکم جنوری سنہ ۶۳۰ء کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار صحابہؓ کے ساتھ روانہ ہوئے اور مکہ کے قریب پہنچ کر مقام مرالظہران میں قیام فرمایا۔

قریش کو اطلاع نہ تھی کہ اس عہد شکنی کے بدلے میں مسلمان اُن کے ساتھ کیا کریں گے جب یہ جمعیت اُن کے سر پر آگئی اور اس کی افواہ اُن کے کانوں تک پہنچی تو رات کے وقت ابوسفیان مع چند دیگر سرداروں کے اس تحقیق کے لئے مکہ سے نکلے۔ دیکھا کہ سارے بیابان میں ہر طرف آگ روشن ہے اور آدمی ہی آدمی نظر آتے ہیں۔

رسول اللہ کے چچا حضرت عباسؓ کا دل اپنی قوم کے لئے بے چین تھا وہ چاہتے تھے کہ کسی صورت سے وہ مسلمان ہو جائے۔ ورنہ کل جس وقت یہ فوج مکہ پر چڑھے گی تو اس کا نشان مٹ جائے گا۔

اسی خیال سے رات کو وہ آں حضرتؐ کے خچر دلدل پر چڑھ کر مکہ کی طرف گئے راستے میں ابوسفیان سے ملاقات ہوگئی۔ ان کو اپنے پیچھے بٹھا لیا اور تیزی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے کہ اُن کے لئے امان مانگ لیں۔

ابوسفیان سب سے بڑے دشمن اسلام تھے۔ مکہ میں مسلمانوں کو ستاتے رہے پھر ہجرت کے بعد بار بار فوجیں لے کر مدینے پر چڑھائی کرتے رہے۔ سارے مسلمان ان کے خون کے پیاسے تھے۔ حضرت عباسؓ جب اُن کو آں حضرتؐ کے پاس لا رہے تھے تو حضرت عمرؓ نے راستے ہی میں دیکھ کر پہچان لیا، بڑھ کر اُن کے ساتھ ہی دربار رسالتؐ میں پہنچے اور کہنے لگے کہ اب حکم دیجیے کہ اب اُس دشمن کا سر اُڑا دوں۔ آں حضرتؐ نے اُن کو روکا اور ابوسفیان کو امان دے کر حضرت عباسؓ کے حوالے کیا وہ رات بھر انھیں کے خیمے میں رہے اور صبح کو آں حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے حضرت عباسؓ نے کہا یا رسول اللہؐ! ابوسفیان فخر پسند آدمی ہیں ان کو کوئی امتیاز عطا فرمایا جائے تو بہتر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مکہ کا جو شخص خانہ کعبہ

یا ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اُس کو امان ہے۔ نیز جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرے گا اس کو بھی امان ہے اور راستے میں بھی جو شخص اپنی تلوار میان میں رکھ لے گا ہم اُس سے نہیں لڑیں گے۔

ابوسفیان اس بات سے بہت خوش ہوئے کہ امان کے لحاظ سے ان کا گھر خانۂ کعبہ کے برابر کر دیا گیا۔ انھوں نے مکہ میں جا کر اعلان کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسا لشکر لے کر آئے ہیں کہ تم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اگر جان کی امان چاہتے ہو تو کعبہ یا میرے گھر میں پناہ لو۔ یا اپنے اپنے دروازے بند کر لو اور تلواریں میان میں رکھو۔

اسلامی لشکر شوکت وشان کے ساتھ قبیلہ وار الگ الگ مکہ کی طرف بڑھا آنحضرتؐ کی تاکید تھی حرم ہے خوں ریزی مطلق نہ ہو۔ چنانچہ بجز دو ایک خفیف مناقشوں کے جو ذکر کے بھی قابل نہیں ہیں بلا مزاحمت مکہ میں داخل ہو گئے۔

جب وہاں نزدل فرمایا اور لوگ مطمئن ہو گئے تو کعبہ کی طرف چلے۔ سواری پر سات بار بیت اللہ کا طواف کیا۔ مسجد حرم میں جس قدر بت تھے سب تڑوا دئے خاص کعبہ کے اندر داخل ہو کر دو رکعت نماز ادا کی پھر اس کے دروازے پر کھڑے ہو گئے اور ایک تقریر فرمائی جس کا آغاز یہ ہے:

"اللہ ایک ہے جس کا کوئی شریک نہیں اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور اپنے بندے کی مدد کی اور اکیلے سارے جتھوں کو شکست دی۔ ہر قسم کے فخر اور خون اور مال کے دعوے میرے قدموں کے نیچے ہیں۔"

اہلِ عرب اپنی شرافت اور آبا و اجداد کے کارناموں پر فخر کیا کرتے تھے اور جب کسی قبیلہ کا کوئی آدمی مارا جاتا تو پشتہا پشت تک اس کا دعویٰ زندہ رکھتے اور خون یا مال یعنی خوں بہا کی شکل میں بدلہ حاصل کرتے اور اس کو بڑے فخر کی

بات سمجھتے تھے۔ آں حضرت صلعم نے ان جاہلانہ مفاخر کو پامال کر دیا۔ پھر فرمایا:

"اے جماعت قریش! اب تمھارے جاہلیت کے گھمنڈ اور نسب کے فخر کو اللہ تعالےٰ نے مٹا دیا۔ تمام آدمی آدمؑ کی اولاد ہیں اور آخر آدمؑ خاک سے بنے تھے"

کفار قریش جنھوں نے اسلام اور خود آں حضرتؐ کی دشمنی میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا تھا مغلوب اور خوف زدہ سامنے کھڑے ہوئے تھے۔ آپؐ نے ان کی طرف نظر اُٹھا کے دیکھا اور فرمایا:

تم کیا سمجھتے ہو کہ میں تمھارے ساتھ کیا کروں گا؟

اُنھوں نے جواب دیا کہ آپ ہمارے شریف بھائی اور شریف برادر زادہ ہیں، ارشاد ہوا کہ جاؤ تم سب لوگ آزاد ہو۔

کفار نے اس ترحم اور مہربانی کو دیکھ کر اسلام کی طرف قدم بڑھایا اور ایک قلیل تعداد کے سوا جو بعد میں اسلام لائی تمام اہل قریش اُسی دن مسلمان ہو گئے چند کافر جنھوں نے خاص جرائم کیے تھے قتل کیے گئے۔

اس کے بعد آپ نے کعبہ کی کنجی عثمانؓ کے حوالے کر دی جو آج تک انھیں کی نسل میں چلی آتی ہے۔

فتح مکہ زمانہ سابق اور مابعد کے درمیان ایک حد فاصل ہے کیونکہ قریش اہل عرب کی نگاہ میں مذہبی پیشوا تھے۔ بہت سے قبائل کا رجحان اسلام کی طرف ہو چکا تھا۔ مگر وہ اسی وجہ سے رُکے ہوئے تھے کہ دیکھیں قریش کیا کرتے ہیں۔ اس لئے قریش کا اسلام لانا گویا تمام عرب میں شرک اور بت پرستی کا خاتمہ تھا۔ کعبہ کے بتوں کے ٹوٹنے کے ساتھ ہی عرب کے سارے بت خاک میں مل گئے۔

جنگ حُنین

فتح مکہ کے بعد بنی ثقیف اور ہوازن کے قبائل جو مکہ اور طائف کے درمیان آباد اور نہایت جنگ جو اور سرکش تھے مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو کر آئے مالک ابن عوف ان سب کا سپہ سالار تھا۔ آں حضرتؐ کو جب خبر ملی تو صحابہ کو لے کر مکہ سے مقابلہ کے لئے نکلے۔ اسلامی فوج کی طاقت اس وقت بارہ ہزار تھی۔ اور سازوسامان بھی وافر تھا۔ صحابہ جو ہمیشہ تھوڑی تعداد سے بڑی بڑی فوجوں پر غالب آجایا کرتے تھے اپنی اس کثرت اور شوکت کو دیکھ کر کہنے لگے کہ اب ہمارے اوپر کون غالب آسکتا ہے۔ اُن کی یہ بات درگاہ الٰہی میں ناپسند ہوئی پہلے ہی معرکے میں جب دشمن نے تیر باری شروع کی تمام مسلمان درہم برہم ہو گئے اور سب کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے ساتھ چند افراد میدان میں رہ گئے۔ آپ نے یہ دیکھ کر حضرت عباسؓ سے جو بلند آواز تھے فرمایا کہ لوگوں کو پکارو اُن کی آواز سُن کر انصار پلٹے جب اُن کی تعداد ایک سو ہو گئی تو انھوں نے کفار پر حملہ کیا۔ پھر بقیہ مسلمان بھی آگئے اور وہ بھی حملہ آور ہوئے، چند گھنٹوں میں دشمنوں نے شکست فاش کھائی۔ مسلمانوں کو غنیمت میں چھ ہزار عورتیں اور بچے، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی ملی۔

قرآن مجید میں اس واقعہ کا ذکر سورۂ توبہ میں ہے۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ	اللہ نے بہت سے موقعوں پر تمھاری مدد کی
وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ	اور حنین کے دن بھی جب تم کو اپنی کثرت پر ناز
فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ	تھا حالانکہ وہ کچھ کام نہ آئی اور زمین باوجود
عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ	اپنی وسعت کے تمھارے اوپر تنگ ہو گئی اور

مُدْبِرِيْنَ ط ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰہُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ط

تم پیٹھ پھیر کر بھاگے پھر اللہ نے اپنے رسول اور مسلمانوں پر تسلی نازل کی اور وہ فوجیں اتاریں جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو سزا دی ۔ اور کافروں کا بدلہ یہی ہے

شکست کھانے کے بعد ہوازن کے کچھ لوگ آں حضرتؐ کی خدمت میں آکر مسلمان ہوئے اور کہا کہ یا رسول اللہؐ! ہم آپ کے رشتہ دار اور قرابت مند ہیں آپ کی رضاعی والدہ حلیمہ ہمارے ہی قبیلے کی تھیں اگر ملوکِ عرب مثلاً نعمان بن منذر یا حارث غسانی وغیرہ میں سے کسی نے ہمارے خاندان میں دودھ پیا ہوتا تو ہم کو ان سے بہت کچھ امیدیں ہوتیں اور آپ کی ذات سے تو ہم ان سے بھی زیادہ توقع رکھتے ہیں ۔ جو عورتیں اس جنگ میں گرفتار ہوئی ہیں ان میں سے بہت سی آپ کی خالائیں اور پھوپھیاں ہیں ۔

آپ نے فرمایا کہ تم کو اپنا مال زیادہ عزیز ہے یا عیال ۔ ان لوگوں نے کہا کہ ان دونوں میں سے ہم اپنے عیال کو ترجیح دیتے ہیں ۔ فرمایا کہ میرے اور بنی عبدالمطلب کے حصے میں جس قدر تمھارے عیال آئے ہیں میں تم کو واپس کردوں گا لیکن بہتر یہ ہے کہ جس وقت میں ظہر کی نماز سے فارغ ہوں ۔ اس وقت تم لوگ جماعت کے سامنے میرا واسطہ دلا کر مسلمانوں سے اپنے عیال کو مانگو ۔ انھوں نے ایسا ہی کیا ۔ آں حضرتؐ نے سب کے سامنے اعلان کیا کہ عبدالمطلب کی اولاد کے حصہ میں جس قدر تمھارے بال بچے ہیں ان کو میں نے تمھیں بخشا، یہ سُن کر سارے مسلمان بول اٹھے کہ جس قدر ان کے اہل و عیال ہمارے حصے میں آئے ہیں ۔ وہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے ۔ اس طرح پر ہوازن کو ان کے اہل و عیال واپس مل گئے ۔

مال غنیمت میں سے زیادہ تر حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رؤسا قریش کو جو نئے مسلمان ہوئے تھے تالیف قلوب کے لئے عطا فرمایا اس پر مدینے کے بعض انصار کو ملال ہوا۔ انھوں نے آپس میں کہا کہ آں حضرتؐ نے اپنی قوم کو تمام مال تقسیم کر دیا اور ہم کو محروم رکھا، حالانکہ خود قریش ہماری تلواروں سے مغلوب ہوئے۔

آں حضرتؐ نے جب اس کا چرچا سُنا تو انصار کو جمع کر کے پوچھا کہ کیا تم لوگوں نے ایسا کہا؟ انصار نے جواب دیا کہ ہمارے بعض نوجوانوں نے بیشک اس قسم کی باتیں کہیں لیکن سر برآوردہ لوگوں میں سے کسی نے کچھ نہ کہا اور نہ ان کا ایسا خیال ہے آپ نے ان کو مخاطب کر کے کہا:۔

کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم لوگ گمراہ تھے اللہ تعالیٰ نے میری بدولت تم کو ہدایت عطا فرمائی۔ تم لوگ باہم دشمن تھے میرے ذریعے سے تم میں اتفاق پیدا ہوا۔ تم نادار تھے میرے دم سے اللہ نے تم کو غنی کیا۔

انصار ہر ہر بات پر کہتے جاتے تھے کہ بے شک اللہ کا اور اس کے رسولؐ کا احسان بہت بڑا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا:

نہیں تم مجھ کو جواب دے سکتے ہو کہ ساری دنیا نے تجھ کو جھٹلایا اور ہم نے تیری تصدیق کی۔ سب نے تجھ کو چھوڑ دیا اور ہم نے پناہ دی، تو محتاج تھا ہم نے تیری مدد کی اور میں تمھاری ان سب باتوں کی تصدیق کروں گا۔ اے جماعتِ انصار! کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر لے چلو

یہ تقریر سُن کر انصار رو پڑے اور آنسو سے اُن کی داڑھیاں تر ہو گئیں پھر آپ نے ان کو سمجھایا کہ یہ لوگ ابھی تازہ مسلمان ہیں تالیف قلوب کے خیال سے ان کو زیادہ مال دیا گیا ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھو کہ ان کا حق زیادہ ہے۔

غزوۂ تبوک

جنگ موتہ جو شام کے غسانی بادشاہ سے ہوئی تھی اس کا بدلہ لینے کے لئے اس نے عیسائی عربوں کا ایک لشکر تیار کیا اور قیصر سے بھی امداد طلب کی، اس نے چالیس ہزار فوج بھیجی۔ غسانی کا ارادہ تھا کہ مدینے پر لشکر کشی کرے، اہل مدینہ یہ خبر سن کر اندیشہ مند تھے آں حضرتؐ نے بھی اُس کے مقابلے کے لئے تیاری شروع کی اور ہر ہر مسلمان قبیلہ سے فوجی اور مالی امداد طلب کی چونکہ اس زمانے میں سخت قحط تھا اور گرمی کی شدت بھی اس لئے اس لشکر کی تیاری میں بہت دشواری پیش آئی۔ منافقین مسلمانوں کو بہکاتے تھے کہ اس گرمی میں نہ جاؤ۔ اللہ تعالےٰ نے قرآن میں ان کا پردہ فاش کیا۔

وَقَالُوا لَا تَنفِرُوا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا ط	ان لوگوں نے کہا کہ گرمی میں نہ نکلو، کہدو کہ جہنم کی آگ اور زیادہ گرم ہے۔

بڑے بڑے صحابہ اور اہل کرم دولت مندوں خاص کر حضرت عثمان غنیؓ کی کوشش سے اس فوج کا ساز و سامان درست ہوا۔ آں حضرتؐ رجب ۹ھ میں لشکر کو لے کر جس کی تعداد تقریباً تیس ہزار تھی روانہ ہوئے اور مقام تبوک میں جو مدینہ سے ۱۴ منزل کے فاصلے پر دمشق کی طرف ہے پہنچ کر قیام فرمایا، غسانی مقابلے کے لئے نہیں آیا۔

ایلہ کے حکمران یوحنا نے آکر مصالحت کی اور جزیہ دینا منظور کیا جزبار اور اذرح کے باشندے بھی آئے انھوں نے بھی جزیہ پر صلح کی دومۃ الجندل کا رئیس اکیدر قیصر کا باجگذار اور اسلام کا دشمن تھا۔ حضرت خالد کو چار سو آدمیوں کے ساتھ اس کے مقابلے کے لئے بھیجا وہ گرفتار ہو کر آیا، آں حضرتؐ نے اس

کی جان بخشی کی اس لیے جزیہ دینا منظور کیا۔ دس دن تک وہاں قیام رہا اس کے بعد مدینہ کو واپس تشریف لائے۔ یہی سب سے آخری غزوہ تھا۔

حج اکبر

۹ سنہ ھ میں پہلا سال تھا جس میں مسلمانوں کے اہتمام سے حج ہوا۔ آں حضرتؐ اگرچہ خود نہیں تشریف لے گئے، لیکن حضرت ابوبکرؓ کو میر حاج اور حضرت علیؓ کو نقیب بناکر ۳۰۰ مسلمانوں کے ہمراہ مکہ بھیجا۔ قربانی کے اونٹ بھی ساتھ کر دیئے۔

ان لوگوں نے جاکر حج ادا کیا، حضرت ابوبکرؓ نے مناسکِ حج لوگوں کو سکھائے اور منادی کردی کہ آئندہ سے کوئی برہنہ اور کوئی مشرک بیت اللہ میں داخل نہ ہو نیز سورۂ برأت کی ابتدائی آئتیں سنائیں اور اعلان کردیا کہ جن مشرکین سے معاہدہ ہو چکا ہے اس کی مدت تک عہد کی پابندی کی جائے گی اور جن سے کوئی عہد نامہ نہیں ہوا ہے ان کو چار مہینے کی مہلت ہے۔ اس کے بعد اللہ اور رسولؐ ان سے بری الذمہ ہیں

اس اعلان کے بعد مکہ کے باقی ماندہ کفار بھی مسلمان ہو گئے اور عرب کے جو قبائل رہ گئے تھے ان میں سے لوگ آں حضرتؐ کی خدمت میں آنے شروع ہوئے اور جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔ اس وقت سورۂ نصر نازل ہوئی۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا ط	جب فتح اور نصرت الٰہی آگئی اور تونے دیکھ لیا کہ اللہ کے دین میں جو لوگ جوق در جوق داخل ہو رہے ہیں تو اپنے رب کی حمد کی تسبیح پڑھ اور اس سے مغفرت مانگ، وہ توبہ قبول کرنے والا ہے

اس میں ایک لطیف اشارہ اس امر کی طرف بھی ہے کہ نبوت اپنا فرض ادا کر چکی اب اس کو دنیا میں رہنے کی ضرورت نہیں۔

حجۃ الوداع

سنہ ۱۰ھ میں خود آں حضرت صلعم نے حج کا تہیہ کیا۔ قبائل عرب میں بھی اس کی اطلاع دیدی۔ ۲۵ ذی قعدہ کو صحابہ کے ہمراہ جن میں مدینے کی آبادی کا بیشتر حصہ تھا مکہ کو روانہ ہوئے۔ وہاں مختلف مقامات اور قبائل کے ایک لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کا اجتماع ہوا حج کے بعد آپ نے ان کو مخاطب کر کے ایک موثر خطبہ دیا جس کا مطلب مختصراً یہ ہے:

لوگو! توجہ سے سنو اور یاد رکھو، ممکن ہے کہ آئندہ مجھے تم سے ملنے کا موقع نہ مل سکے جس طرح تم اس دن، اس مہینہ اور اس مقام کی حرمت کرتے ہو اسی طرح ایک مسلمان کا خون، مال اور آبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔ اللہ تعالےٰ تمھارے ہر ایک کام کا حساب لے گا۔ دیکھو میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ باہم ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو جس طرح تمھارے حقوق عورتوں پر ہیں اسی طرح عورتوں کے حقوق تمھارے اوپر ہیں ان کے ساتھ نرمی کرنا اور مہربانی سے پیش آنا اور اللہ سے ڈر کر ان کے حقوق کا لحاظ رکھنا۔

غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلانا اور جو خود پہنو وہی ان کو پہنانا، ان سے کوئی خطا ہو تو درگذر کرنا یا ان کو جدا کر دینا۔ وہ بھی اللہ ہی کے بندے ہیں۔ ان کے اوپر سختی روا نہ رکھنا۔ نہ عربی کو عجمی پر فضیلت ہے، نہ عجمی کو عربی پر۔ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ تمھارے کسی بھائی کو کوئی چیز تمھارے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک وہ رضامندی سے نہ بخش دے۔ دیکھو ناانصافی نہ کرنا۔ میں نے تمھارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑی ہے جس کو اگر تم مضبوط پکڑو گے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ یاد رکھو وہ قرآن ہے۔

لوگو! عمل میں خلوص۔ مسلمان بھائیوں کی خیر خواہی اور جماعت میں اتحاد

یہ تین باتیں ایسی ہیں جو سینہ کو پاک رکھتی ہیں۔

تم کو لازم ہے کہ میرا یہ کلام ان لوگوں کو پہنچا دو جو یہاں موجود نہیں ہیں کیونکہ بہت لوگ روایتاً کلام کو سن کر ان سے زیادہ رکھتے ہیں جو خود اپنے کانوں سے سنتے ہیں

اس الوداعی خطبہ کے بعد آپ نے لوگوں کو مخاطب کرکے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تم سے سوال کرے گا کہ میں نے تم کو اس کے احکام کی تبلیغ کی یا نہیں۔ تم لوگ اس کا کیا جواب دوگے؟ سب نے یک زبان ہوکر بلند آواز سے کہا کہ یا رسول اللہ ہم لوگ گواہ ہیں کہ آپ نے اللہ کے احکام ہم تک پہنچائے اور رسالت کا فرض ادا کردیا۔ یہ سن کر آپ نے آسمان کی طرف اپنے ہاتھ اُٹھائے اور تین بار کہا اے اللہ تو شاہد رہ۔

ختم قرآن

اسی روز یعنی حجۃ الوداع کے خاتمہ پر قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ	آج میں نے تمھارے لئے دین کو مکمل کردیا
عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَرَضِيْتُ	اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی، اور تمھارے
لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط	لئے دین اسلام کو پسند کیا۔

اس دن سے احکام قرآنی کے نزول کا سلسلہ ختم ہوگیا اس کی تمام آیتیں اور سورتیں مرتب ہوچکی تھیں۔ اور بہت سے صحابہ پورے قرآن کے حافظ تھے۔

دعوتِ اسلام اور اس کے نتائج

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت مکہ سے ہجرت فرمائی ہے اس وقت تک قریش اور اس کے حلیف قبائل میں سے ایک مختصر جماعت نے اسلام کو قبول کیا تھا دیگر قبائل عرب کے صرف چند افراد اسلام لائے تھے۔

ہجرت کے بعد مدینے کے باشندے زیادہ تعداد میں مسلمان ہوئے ان کو انصار

کا لقب ملا یہاں کے لوگوں میں اسلام کا عشق اور اس کی طرف ایسا رجحان تھا کہ سب کے سب مسلمان ہو جاتے۔ لیکن ایک رکاوٹ یہ آپڑی کہ ان میں سے بعض اہلِ اثر یا تو اسلام کی حقیقت کو نہ سمجھ سکے یا اپنی سرداری کے زوال کا ان کو خوف ہوا اس وجہ سے وہ اسلام کی دشمنی کرنے لگے۔ اُن کے ساتھ اور بھی اُن کے ہم خیال ہو گئے گو مسلمانوں کے غلبہ کی وجہ سے ظاہر میں وہ مسلمان ہو گئے تھے لیکن در پردہ مخالفت کرتے تھے۔ انھیں لوگوں کو قرآن نے منافق کہا۔ آں حضرت اُن کے ساتھ نہایت مہربانی اور نرمی کا برتاؤ کرتے تھے یہاں تک کہ عبداللہ بن اُبی جو منافقوں کا سرغنہ تھا، باوجود صحابہ کی مخالفت کے اس کے جنازے کی نماز پڑھائی۔ کفن کے لئے اپنا پیراہن مبارک بخشا اور خود اُس کی قبر میں اُترے۔ حالانکہ یہ شخص اسلام پر، مسلمانوں پر اور خود آں حضرتؐ کی ذات پر بہت سی مُصیبتوں اور تکلیفوں کا باعث ہوا تھا۔ لیکن رحمتِ عالم لوگوں کی تالیفِ قلب کا بہت خیال رکھتے تھے اور چاہتے تھے کہ کسی صورت سے ان کا باطن بھی ظاہر کے مطابق ہو جائے کیونکہ اس سے اسلام کو بہت کچھ تقویت پہنچنے کی اُمید تھی۔

مدینے کے یہود میں سے عبداللہ بن سلام اور چند دیگر افراد اسلام لائے۔

آں حضرتؐ عرب کے قبائل کو اسلام کی طرف بلاتے تھے اُن کے پاس قاصد اور خطوط بھیجتے تھے۔ لیکن قریش کے مغلوب ہونے سے پیشتر تک کوئی بڑا نتیجہ ظاہر نہیں ہوا۔

اہلِ عرب کے توقف کی بڑی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ اہلِ اسلام اور قریش میں جو لڑائیاں ہوتی تھیں وہ فیصلہ کُن نہ تھیں۔ بدر میں اگر مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی تو احد میں قریش غالب رہے۔ نیز خندق کی لڑائی سے عربوں نے یہ سمجھا کہ مسلمان قریش سے رو در رو مقابلہ کرنے کی ہمّت نہیں رکھتے اس کی وجہ سے اشاعتِ اسلام میں رکاوٹ پڑ گئی تھی اور اس کی رفتار بہت سُست تھی۔

صلح حدیبیہ کے بعد امن و اماں ہو گیا اور کفار کو مسلمانوں کے ساتھ میل جول اور تبادلۂ خیالات کا موقع ملا جب قرآن کی آیات اور آں حضرت صلعم کی تعلیمات انھوں نے سنیں تو عام طور پر ان کا رجحان اسلام کی طرف ہو گیا۔ لیکن پھر بھی قریش کے معاملے کے منتظر تھے۔

۸ھ میں جب مسلمانوں نے مکہ کو فتح کر لیا تو تمام اہل عرب کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور ان کو یقین ہوا کہ اسلام کے ساتھ غیبی امداد اور آسمانی قوت شامل ہے۔ ورنہ بیت اللہ پر ان کا فتح یاب ہونا ناممکن تھا اسی کے ساتھ تقریباً جملہ اہل قریش جن کی مذہبی سیادت سارے عرب میں مسلم تھی۔ اسلام میں داخل ہو گئے یہ دیکھ کر تمام عرب نے اس دین کی طرف قدم بڑھایا۔ اپنے اپنے قبیلوں سے وفود بھیجے اور اسلام میں داخل ہو گئے۔ چنانچہ تاریخ اسلام میں ۹ھ عام الوفود کہا جاتا ہے۔

وفود

جب آپ مکہ سے واپس تشریف لائے تو بنی ثقیف نے اپنا وفد خدمت میں بھیجا اس کے سرگروہ عبد یا لیل بن عمر تھے۔ آں حضرتؐ نے ان کے مسجد نبوی کے متصل خیمہ نصب کرایا ان لوگوں نے اسلام قبول کیا لیکن یہ درخواست کی کہ نماز ہمارے لئے معاف کر دی جائے۔ آپ نے فرمایا کہ اس دین میں کوئی خوبی نہیں جو بلا نماز کے ہو۔

انھوں نے اپنے یہاں کے بتوں کو بھی خود اپنے ہاتھوں سے توڑنے سے معافی چاہی۔ آپ نے اس کو منظور کیا اور ابوسفیان اور مغیرہ بن شعبہ کو حکم دیا کہ جا کر اُن کے یہاں کے طاغوت لات کو توڑ ڈالیں۔

اسی قبیلے میں سے عثمان بن ابی العاص کو اس کا امیر مقرر کیا جو اگرچہ

کم سن تھے لیکن قرآن اور اصول اسلام سے با خبر تھے۔ جاتے وقت ان کو ہدایت کی کہ نماز کے معاملے میں سختی نہ کرنا۔ ان میں بہت سے کم زور، مفلس بچے اور بڈھے ہوں گے۔ ان کا لحاظ رکھنا یہ قبیلہ یعنی بنی ثقیف اسلام میں نہایت صادق اور پختہ ثابت ہوا۔

بنی تمیم میں سے ان کے رؤسار عطارد بن حابس اور زبرقان بن بدر وغیرہ آئے۔ مسجد نبوی میں پہنچ کر حجرہ کے پیچھے سے آں حضرتؐ کا نام لے کر بلند آواز سے پکارنا شروع کیا اسی کے اوپر سورۂ حجرات کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں جن میں ممانعت کی گئی کہ نبی کو اس طرح نہ پکارو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو ورنہ تمھارے عمل اکارت ہو جائیں گے۔

آں حضرتؐ جب تشریف لائے تو بنی تمیم کے خطیب نے اپنی قوم کے مفاخر کا خطبہ سنایا اور ان کے اشعار پڑھے۔ ادھر سے حضرت قیس بن شماس نے تقریر کی اور حضرت حسان بن ثابت نے اُن کے قصیدے کے جواب میں قصیدہ سُنایا۔ اس کے بعد وہ لوگ مسلمان ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو انعامات عطا فرمائے۔

بنی سعد بن بکر کا جو وفد آیا اس میں ایک شخص ضمام بن ثعلبہ تھے اُن کے بدن پر کثرت سے بال تھے اور طبیعت کرخت واقع ہوئی تھی۔ آں حضرتؐ کے پاس صحابہ کا مجمع تھا۔ آنے کے ساتھ ہی پوچھا کہ تم میں سے بن عبدالمطلب کون ہے آں حضرتؐ نے جواب دیا کہ میں۔ کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بولے کہ ہاں۔ کہا کہ میں آپ سے چند سوال کرتا ہوں گراں گزریں تو مجھ پر خفا نہ ہوں۔ فرمایا کہ نہیں جو کچھ پوچھنا ہے بے تامل پوچھو۔ انھوں نے کہا کہ میں اس اللہ کی قسم دلا کر جو گذشتہ موجودہ اور آئندہ نسلوں کا معبود ہے۔ پوچھتا ہوں کہ کیا اُس نے آپ کو اپنا

رسول بنا کر بھیجا ہے ۔ فرمایا کہ ہاں بے شک ۔ پھر کہا کہ میں اسی اللہ کی قسم دلا کر کہتا ہوں کہ کیا اس نے حکم دیا ہے کہ ہم پانچ وقت کی نمازیں پڑھیں فرمایا کہ ہاں بے شک ۔ ضمام نے اسی طرح حج، زکوٰۃ ، روزہ وغیرہ ہر ایک عبادت کے متعلق سوال کیا اور سب سوالوں کا جواب پاکر آخر میں مسلمان ہوئے اور کہا کہ میں ان فرائض کو بلا کمی وبیشی کے ادا کرتا رہوں گا اور جو منہیات ہیں اس سے بچوں گا اس کے بعد واپس آ گئے ۔ اُن کے قبیلے کے سب لوگ بلا استثنا اسی روز مسلمان ہو گئے ۔

قبیلہ ربیعہ بن عبدالقیس میں سے جارود بن بشر جو نصرانی تھے آں حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے اور بڑے سچے مسلمان ہوئے ۔

قحطان میں سے زید الخیل وفد کے سرغنہ ہو کر آئے ۔ انھیں زید کے بارے میں آں حضرتؐ نے فرمایا کہ جتنے لوگوں کی میں نے تعریفیں سنیں ان کو جب دیکھا تو اس سے کم پایا ۔ لیکن زید کی جس قدر مدح سُنی تھی اُس سے ان کو زیادہ دیکھا ۔ ان کا نام بدل کر زید الخیر کر دیا اور مقام قید اور اس کے آس پاس کی زمینیں بھی کچھ عطا فرمائیں ۔

قبیلہ طے میں سے حاتم کے بیٹے عدی آکر مسلمان ہوئے یہ پہلے عیسائی تھے ۔

قبائل زبید، کندہ اور مراد سے بھی وفود آئے، حمیری بادشاہ حارث بن عبد کلال اور اس کے بھائیوں نعیم اور نعمان نیز زرعہ ذویزن اور مالک بن مرّہ وغیرہ نے قاصدوں کو بھیج کر اپنے اسلام لانے کی اطلاع دی ۔ آں حضرتؐ نے اُن کے جواب میں خطوط بھیجے جن میں زکوٰۃ کی ہدایت لکھی اور چند صحابہ کو روانہ کیا کہ جا کر ان کو دین کی تعلیم دیں ۔

ملک شام کے مقام معان میں فروہ بن عمرو آدمیوں کی طرف سے حاکم تھے ۔

انھوں نے بھی خط کے ذریعے سے آں حضرتؐ کو اپنے مسلمان ہونے کی اطلاع بھیجی۔ رومیوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ وہ مسلمان ہوگئے ہیں تو ان کو قید کر دیا اور پھر قتل کر ڈالا بنی حارث کا ایک وفد حضرت خالد بن ولید کے توسط سے آیا۔ یہ لوگ جاہلیت کے زمانے میں بڑے بہادر مشہور تھے اور اکثر اپنے حریفوں پر غالب آجاتے تھے۔ آں حضرتؐ نے اُن سے دریافت کیا کہ کیا وجہ تھی کہ تم لوگ اپنے دشمنوں پر فتحیاب ہوا کرتے تھے انھوں نے کہا کہ ہم باہم متحد رہتے تھے اور اپنی طرف سے کبھی ظلم کی ابتدا نہیں کرتے تھے۔

الغرض اسی طرح سلسلہ وار قبائل کے رؤسا و شرفا آ آکر مسلمان ہوئے اور بیشتر اہل عرب نے دینِ اسلام قبول کر لیا۔

لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ ان سب لوگوں میں اسلام راسخ ہو گیا تھا کیونکہ ان میں بہت سے بادیہ نشین تھے جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے ان کی جاہلیت کی عادتیں ان میں باقی تھیں۔ اور اسلامی تہذیب ان کو مکمل طور پر ابھی تک شائستہ نہیں بنا چکی تھی۔ چنانچہ قرآن کی سب سے آخری سورۃ جو نازل ہوئی اس میں بعض بادیہ نشینوں کی جہالت کا ذکر موجود ہے۔ اسی کے ساتھ بعض کی مدح بھی ہے۔

شہری باشندوں مثلاً مکہ، مدینہ، طائف، یمن اور بحرین کے لوگوں میں بے شک اسلام کا اثر بہت صادق تھا۔ چنانچہ انھی میں سے بڑے بڑے صحابہ اور رؤسا اسلام ہوئے ہیں۔

مراسلات

آں حضرتؐ کی رسالت چونکہ عرب ہی تک محدود نہ تھی بلکہ آپ تمام بنی نوع انسان کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے اس لئے جہاں تک امکان میں تھا بیرون عرب کے ملوک اور امراء کے پاس بھی دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے اور سفارت کے لئے صحابہ میں سے ان لوگوں کو منتخب فرمایا جن کو ان بادشاہوں اور فرماں رواؤں

کے دربار سے واقفیت تھی

حضرت وحیہ کلبی کو قیصر روم ہرقل کے پاس خط دے کر بھیجا جس کا مضمون یہ تھا:

تم اسلام لاؤ محفوظ رہوگے اور اللہ تعالےٰ تم کو دگنا اجر دے گا ورنہ تمھاری رعایا کا گناہ بھی تمھارے ذمے پڑے گا۔

اسی زمانے میں قیصر نے ایرانیوں پر فتح پائی تھی اور صلیبِ مقدس اس کو واپس ملی تھی۔ وہ اس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے ملک شام میں آیا ہوا تھا۔ شہر حمص سے بیت المقدس تک پیدل گیا۔ راستے بھر میں فرش اور فرش پر پھول بچھائے گئے تھے۔

حضرت وحیہؓ رسولؐ کا خط لے کر وہیں پہنچے۔ اس نے ترجمہ کرا کے سنا خود تو وہ اپنے دل میں اسلام کی حقانیت کو سمجھ گیا تھا۔ لیکن جب اپنے علماء اور مذہبی پیشواؤں کو جمع کر کے مشورہ کیا تو ان لوگوں نے مخالفت کی اس وجہ سے اسلام نہ لا سکا۔

شجاع بن وہبؓ آں حضرتؐ کا خط منذر بن حارث غسانی کے پاس جو شام میں تھا لے کر گئے وہ اپنی قوت کے گھمنڈ میں اسلام نہیں لایا اور کہا کہ مجھ سے کون میرا ملک چھین سکتا ہے۔

عمرو بن اُمیّہؓ نجاشی کے پاس بھیجے گئے انھوں نے جواب میں اپنے مسلمان ہونے کی اطلاع دی۔ چنانچہ جس دن اُن کا انتقال ہوا آں حضرتؐ نے الہام کے ذریعے اس کی اطلاع پا کر لوگوں کو خبر دی اور مدینہ میں اُن کے جنازے کی نماز پڑھی۔

عبداللہ بن حذافہؓ کو ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کے دربار میں بھیجا اُس نے خط کے عنوان پر آں حضرتؐ کا نام لکھا ہوا دیکھ کر غصہ سے اس کو چاک چاک کر ڈالا۔ چونکہ ایرانی دستور کے مطابق بادشاہوں کے خطوط میں کاتب کا نام نیچے ہونا چاہیے تھا۔ آں حضرت کو جب یہ خبر پہنچی تو فرمایا کہ اس کی سلطنت کے پُرزے پُرزے ہو جائیں گے۔

خسرو نے صرف خط کے پھاڑنے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ غصہ میں آ کر اپنے یمن کے

عامل باذان کو لکھا کہ حجاز میں جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اس کو پکڑ کر میرے پاس بھیج دو۔ باذان نے دو آدمیوں کو مدینہ بھیجا انھوں نے آکر آں حضرتؐ کو دھمکی دی اور کہا کہ شہنشاہی حکم کے مطابق آپ کو ہمارے ہمراہ دربار میں چلنا ہوگا۔

یہ وہی دن تھا جس کی رات کو شیرویہ نے اپنے باپ خسرو پرویز کو قتل کر ڈالا تھا۔ آں حضرتؐ کو یہ خبر بذریعہ الہام کے معلوم ہوئی۔ ان دونوں سے کہا کہ تمھارا بادشاہ آج کی رات مارا گیا۔ انھوں نے کہا دیکھئے آپ کیا کہہ رہے ہیں ہم اس بات کو آپ کی ذمہ داری پر بادشاہ کو لکھتے ہیں اس کے نتائج آپ کو برداشت کرنے ہوں گے کیونکہ ہم جس قصور پر آپ کو لینے کے لئے آئے ہیں یہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک میری ذمہ داری پر تم اس خبر کو لکھ بھیجو اور اس کو یہ بھی اطلاع دیدو کہ میرے دین کا غلبہ وہاں تک پہنچے گا جہاں تک اُس کی سلطنت ہے، بلکہ جہاں تک کہ کوئی اونٹ یا گھوڑا پہنچ سکتا ہے۔

ان دونوں فرستادوں نے یمن میں واپس آکر باذان کو ان باتوں کی اطلاع دی ادھر اسی زمانے میں ایران سے مراسلہ پہنچا کہ خسرو پرویز فلاں تاریخ کو مارا گیا اور شیرویہ اس کی بجائے تخت نشین ہوا۔ شیرویہ نے باذان کو یہ بھی لکھا کہ میرے باپ نے حجاز کے شخص کو طلب کیا تھا تاوقتیکہ میں حکم نہ دوں اس سے تعرض نہ کرنا اس کا اثر یہ ہوا کہ باذان اور ان کے ساتھ جتنے ایرانی یمن میں تھے سب مسلمان ہوگئے۔

حاطبؓ بن ابی بلتعہ کو مصر کے والی مقوقس کے پاس بھیجا وہ اسلام تو نہیں لایا لیکن ایک خچر جس کا نام دلدل تھا اور دو لونڈیاں آں حضرتؐ کے لئے تحفتاً بھیجیں۔ ان میں سے ایک ماریہ قبطیہؓ تھیں جن کے بطن سے آں حضرتؐ کے بیٹے ابراہیم پیدا ہوئے تھے۔

سلیطؓ بن عمرو کو بنی حنیفہ کے سردار ہوذہ بن علی کے یہاں علاء

بن حضرمیؓ کو فرماں روائے بحرین منذر بن ساوی کی طرف اور عمرو بن عاصؓ کو سرداران بنی یزد کے پاس بھیجا۔ اُن میں سے بعض اسلام لائے۔ بعض اسلام پر غور و فکر کرنے لگے اور اکثر ملکوں میں اس دین کا چرچا پھیل گیا۔

تعلیماتِ مدینہ

مدینہ میں ۲۱ سورتیں نازل ہوئیں جو تقریباً ایک ثلث قرآن ہے۔

مدنی آیتیں مکی آیتوں سے کئی حیثیتوں سے ممتاز ہیں۔ مکی آیات میں اقوام سابقہ کے قصص اور عبرت خیز واقعات بیان کئے گئے ہیں لیکن مدنی آیات میں بیشتر خود مسلمانوں کی لڑائیوں اور ان کے اسباب وغیرہ کا ذکر ہے۔ نیز ان میں فرائض اور احکام زیادہ ہیں جو مکی آیات میں کم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے مکی آیتوں میں "یابنی آدم" "یا ایہا الناس" یا اہل الکتاب' کے لفظ سے زیادہ خطاب فرمایا ہے اور مدنی آیتوں میں "یا ایہا الذین آمنوا" کہہ کر مخاطب کیا ہے۔

آیتِ قتال

مکہ سے ہجرت کرنے کے بعد ہی آیتِ قتال نازل ہوئی۔ اس ذیل میں تاریخی حیثیت سے ان اسباب کا بیان کر دینا ضروری ہے جن کی بنیاد پر جنگ کی اجازت دی گئی۔

خود قرآن مجید میں کئی جگہ تصریح کے ساتھ ان کا ذکر ہے۔ ان سب پر غور کرنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ در اصل ان کا مرجع دو باتیں ہیں:

(۱) غیروں کی دست درازی سے اپنی حفاظت کے لئے لڑنا۔

(۲) اشاعتِ اسلام میں جو رکاوٹیں ڈالی جائیں ان کی مدافعت کرنا۔ مثلاً کوئی قوم مسلمانوں کو اس غرض سے ستائے کہ وہ اپنے دین کو چھوڑ دیں یا کسی کو مسلمان

ہونے سے جبر اُر و کے یا تبلیغ اسلام میں خلل انداز ہو تو اس سے لڑنے کی اجازت ہے۔

پہلی آیت جو اس کے متعلق نازل ہوئی یہ ہے :

اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّہُمۡ ظُلِمُوۡا	جن مسلمانوں سے کافر لڑے ان کو اب کافروں
وَ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصۡرِہِمۡ لَقَدِیۡرُۨ ۙ الَّذِیۡنَ	سے لڑنے کی اجازت ہے اس لئے کہ ان پر ظلم ہوا بیشک اللہ
اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِہِمۡ بِغَیۡرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنۡ	ان کی مدد پر قادر ہے وہ بیچارے صرف اتنی بات
یَّقُوۡلُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ؕ	کہنے پر کہ ہمارا رب اللہ ہے ناحق اپنے گھروں سے نکالے گئے۔

اس آیت میں جنگ کی اجازت دینے کے بعد اللہ تعالےٰ نے اس کی وجہ بھی بیان کردی کہ اہل مکہ نے مسلمانوں پر صرف اس وجہ سے ظلم کیا اور ان کو ان کے گھروں سے نکالا کہ وہ اکیلے اللہ پر ایمان لائے تھے اور چونکہ یہ کوئی جرم نہیں ہے اس لئے انھوں نے سراسر ناحق ظلم کیا۔ لہذا مسلمانوں کو بھی ان سے لڑنے کی اجازت ہے اور ہم ان کی مدد کریں گے۔

سورۂ بقرہ میں فرمایا :

وَقٰتِلُوۡہُمۡ حَتّٰی لَا تَکُوۡنَ فِتۡنَۃٌ وَّ	تم ان کے ساتھ وہاں تک لڑو کہ فتنہ باقی نہ رہے
یَکُوۡنَ الدِّیۡنُ لِلّٰہِ ؕ	اور دین خالص اللہ کے لئے رہ جائے۔

فتنہ کے معنی لغت میں سونے چاندی کو گلا کر کھرا کھوٹا الگ کرنے کے ہیں لیکن زبان شرع میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کو امتحان اور آزمائش میں ڈالنا اور اس نیت سے ستانا کہ وہ اپنے دین کو چھوڑ دے۔ جنگ کی غرض اور غایت اللہ تعالےٰ نے یہی قرار دی کہ تم وہاں تک لڑو کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین خالص اللہ کے لئے ہو، یعنی دین کے معاملہ میں کوئی کسی پر جبر نہ کر سکے اور انسان کو آزادی حاصل ہو کہ وہ بلا جبر و اکراہ محض اللہ تعالےٰ کی خوشنودی کے لئے دین اختیار کرے۔

یہ بھی ظاہر کر دیا کہ فتنہ یعنی کسی کے عقیدے اور ایمان پر زبردستی کرنا اور انسان کے ذریعے نجات تلاش کرنے کی حریت کو غصب کرنا سخت ترین ظلم ہے۔ یہاں تک کہ قتل اور خوں ریزی سے بھی بڑھ کر ہے لہذا جو کافر ایسا کریں اُن سے لڑو۔

اگر کفار مسلمانوں کے راستے میں حائل نہ ہوں اور لڑائی نہ کریں تو پھر اُن کے ساتھ مسلمانوں کو بھی لڑنے کی کوئی وجہ نہیں۔

سورۂ انفال میں ہے:

فَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا — اگر وہ (کفار) صلح کی طرف جھکیں تو تو بھی جھک جا

کیونکہ اصلی غرض دعوت اسلام کی حفاظت ہے جو صلح سے بھی حاصل ہو جاتی ہے اس لئے جب کافر قوم مسلمانوں سے صلح کرنے کی خواہاں ہو تو اس حکم الٰہی کے مطابق مسلمان اس کے قبول کرنے کے لئے مامور ہیں۔

جو کافر مسلمانوں سے دین کے بارے میں نہ لڑیں اور مصالحت کے ساتھ رہیں ان کے ساتھ سلوک اور احسان کرنا بھی منع نہیں ہے۔

سورۂ ممتحنہ میں فرمایا:

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ

جو لوگ تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور انھوں نے تم کو تمھارے گھروں سے نہیں نکالا ان کے ساتھ احسان اور منصفانہ برتاؤ کرنے سے اللہ تعالےٰ تم کو منع نہیں کرتا۔

آں حضرتؐ ہجرت کر کے جب مدینہ تشریف لائے تو یہاں دو مخالف گروہ تھے ایک منافق جو بظاہر مسلمان لیکن در پردہ دشمن تھے۔ دوسرے یہود آنحضرتؐ نے یہود کے ساتھ عہد نامہ کیا لیکن جنگِ احزاب میں انھوں نے عہد شکنی کی اور قریش کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑنے کے لئے آئے جس کی وجہ سے مسلمانوں کے صبر و ثبات میں سخت زلزلہ پڑ گیا۔ جب وہ مصیبت کی گھٹا اٹھ گئی تو ان کے ساتھ لڑنے کا حکم دیا گیا۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ؕ

ان اہل کتاب سے جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ روز آخرت پر اور نہ اللہ اور نہ اس کے رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں۔ نہ دین حق کو مانتے ہیں۔ لڑو۔ یہاں تک کہ وہ خوار ہو کر اپنے ہاتھوں سے جزیہ دیں۔

ان تمام آیات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام صلح اور امن کی اصلی روح لے کر آیا ہے۔ وہ لڑائی کی اسی وقت اجازت دیتا ہے جب مسلمانوں کے اوپر ناحق ظلم اور سختی کی جائے یا اشاعت اسلام میں رکاوٹ ڈالی جائے۔

قرآن چونکہ کل دنیا کے آدمیوں کے لئے اتارا گیا ہے۔ اس لئے اُس نے اس مرکز کو معین کر دیا جس پر عالم کے امن کی بنیاد قائم ہوتی ہے یعنی اس نے بنی نوع انسان کی ہر قسم کی خود غرضی کو مٹا کر جو تمام فتنوں کی جڑ ہے۔ اس کے تمام افعال ارادیہ کا مقصد صرف رضائے الٰہی کو قرار دیا۔

سورۂ انعام میں ہے:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ

کہہ دے کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب اللہ رب العالمین کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں

یہی وہ نقطہ ہے جس پر دنیا کے تمام انسان آکر متحد ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ جب سب کی غرض ایک ہوگی تو باہم نزاع نہیں ہو سکتی۔

عہد و پیمان

اسی ذیل میں عہد و پیمان کا ذکر بھی ضروری ہے۔ قرآن نے جا بجا وفائے عہد کی تاکید کی ہے۔ سورۂ مائدہ میں ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ

مسلمانو! اپنے اقراروں کو پورا کیا کرو۔

سورۂ اسرار میں ہے:

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ط — اور عہد کو پورا کیا کرو کیونکہ اس کی بازپرس ہوگی

سورۂ نسار میں مخفی ریشہ دوانی کرنے والے بدخواہوں اور منافقوں کے بارے میں حکم ہے کہ ان کو جہاں پاؤ قتل کرو۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ — مگر وہ لوگ جو ایسی قوم میں جا ملیں کہ تمھارے

وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ط — اور ان کے درمیان میں معاہدہ ہو۔

یعنی اہل معاہدہ کے پاس اگر جانی دشمن بھی پناہ گیر ہو جائے تو اس کی حرمت مسلمانوں کو کرنی پڑے گی، اور قتل نہیں کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے معاہدے کو جس قدر محترم رکھا ہے اس کا اندازہ اس سے ہی ہو سکتا ہے کہ قرآن میں اس نے کسی مسلمان کے قتل خطا کا جو تاوان مقرر کیا ہے بعینہٖ تاوان اس کافر کا بھی رکھا ہے جو اس قوم کا ہو جس سے عہد نامہ ہو چکا ہے۔

وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ط — مسلمان اگر تم سے دین کے بارے میں مدد کے خواہاں ہوں تو تم کو اُن کی مدد کرنی لازم ہے مگر اس قوم کے مقابلے میں نہیں کہ تم میں اور اس میں عہد و پیمان ہو

یعنی اسلامی اخوت اور ہمدردی سے بھی زیادہ عہد کا لحاظ رکھا ہے۔

چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جو آں حضرت اور کفار قریش کے درمیان ہوئی تھی، اور جس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ مکہ کا کوئی شخص اگر مسلمانوں کے پاس آجائے گا تو واپس کر دیا جائے گا۔ ایک مسلمان قیدی ابوجندل کسی طرح مکہ سے بھاگ کر آں حضرتؐ کے پاس آ گئے۔ کافروں نے اُن کو بہت مارا اُنھوں نے اپنے زخم دکھائے اور فریاد کی کہ مجھے اپنے ساتھ مدینے لے چلیے۔ آں حضرتؐ نے اُن کے باپ سہیل کو بہت سمجھایا کہ ان کو ہمارے ساتھ کر دو۔ لیکن وہ راضی نہ ہوئے مجبوراً پابندی عہد

کی وجہ سے اُن کو واپس کرنا پڑا اور مسلمان کے دل تڑپتے ہوئے رہ گئے۔

اسیرانِ جنگ

لڑائی میں جو دشمن گرفتار ہوں۔ ان کے بارے میں تصریح کے ساتھ اللہ تعالٰے نے حکم دیا ہے:

حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ — یہاں تک کہ جب تم ان کا زور توڑ چکو تو ان کو باندھ لو

فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً ط۔ — پھر یا تو احسان رکھ کر یا فدیہ لے کر چھوڑ دو

اِس کے سوا اِن کے متعلق کوئی دوسرا حکم قرآن میں نہیں ہے۔

غلامی

جس وقت قرآن نازل ہوا تھا اس وقت عربوں کی ملکیت میں غلام اور کنیز دونوں تھے۔ قرآن نے ان کو اپنی حالت پر قائم رکھا اور مملوکہ کنیز کو جس طرح اُن کے مالک پہلے سے مباح سمجھتے چلے آتے تھے اُسی طرح مُباح رکھا لیکن ان کے آزاد کرنے کی بہت ترغیب دلائی اور تین صورتیں خاص طور پر اس کے لئے بتائیں۔

(۱) سورہ بلد میں انسان کی شکر گذاری کے واجبات میں سب سے مقدم اسی کو رکھا

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ — کیا ہم نے انسان کو دو آنکھیں زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ فَلَا اقْتَحَمَ — اور بھلائی و برائی کے راستے اس کو نہیں دکھلائے پھر بھی وہ

الْعَقَبَةَ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ — ان کے شکریہ میں گھاٹی میں ہوکر نہ نکلا اور تمھیں معلوم

فَكُّ رَقَبَةٍ ط — ہے کہ وہ گھاٹی کیا ہے۔ گردن کو غلامی سے آزاد کرنا۔

(۲) زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں سے ایک مصرف خاص اس کے لئے مقرر فرمایا یعنی زکوٰۃ کی آمدنی میں سے مال کا ایک حصہ اس غرض کے لئے مخصوص کیا جائے کہ اس سے غلام آزاد کرلئے جائیں۔

(۳) اسی کو بعض بعض گناہوں کا کفارہ قرار دیا۔ مثلاً قتلِ خطا، ظہار اور یمین

تینوں میں قرآن نے بردہ آزاد کرنے کا حکم دیا ہے۔
خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم تحریر رقبہ کے فضائل بیان فرما کر اور عملی طور پر
اس کی مثالیں پیش کر کے امت کو بار بار اس کی ترغیب دلاتے رہے۔

عبادات

(۱) نماز مکہ ہی میں شروع ہو چکی تھی۔ مدنی آیات نے اس کی کوئی مزید تفصیل نہیں کی
صرف نماز جمعہ کا ذکر سورۂ جمعہ میں اور نماز خوف کا بیان سورۂ نساء میں نازل ہوا۔ البتہ اس
کی پابندی اور نگہداشت کی تاکیدیں متعدد آیتوں میں کی گئی
سنہ ۱ھ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے لئے اذان کا دستور مقرر فرمایا۔
(۱) مدینہ میں بھی نماز بیت المقدس کے رُخ پڑھی جاتی تھی جو یہود و نصاریٰ
کا قبلہ تھا۔ آں حضرتؐ قبلہ ابراہیمی کے آرزو مند تھے۔ ہجرت کے ۱۷ ماہ بعد اللہ
تعالےٰ نے آپ کی خواہش کے مطابق کعبہ کو مسلمانوں کا قبلہ کر دیا اور اس کے
متعلق تاکیدی احکام نازل فرمائے کہ اسی کی طرف رُخ کر کے نمازیں پڑھا کرو۔
(۲) روزہ مدینہ میں سنہ ۲ھ میں فرض ہوا۔ اور اللہ تعالےٰ نے اس کے لئے
ماہِ رمضان کو جس میں قرآن نازل ہوا مخصوص کر دیا۔
(۳) زکوٰۃ مدینے میں فرض ہوئی اس کے مصارف سورۂ توبہ میں بیان کر دئے
گئے۔ آں حضرتؐ نے سنہ ۹ھ میں اس کی تحصیل کے لئے عمال مقرر کئے اور ایک
مکتوب میں اس کی تفصیل لکھوا دی۔
(۴) حج کی کسی قدر تاریخ اور اس کے اغراض سورۂ حج میں بیان کئے گئے سنہ ۳ھ
میں سورۂ آل عمران میں اللہ تعالےٰ نے خانۂ کعبہ کی اوّلیت اور افضلیت
بیان کر کے حج کو فرض کر دیا۔

نظامِ اجتماعی

اجتماعی معاملات میں سب سے پہلے زکوٰۃ اور حج آتے ہیں۔ لیکن چونکہ فقہا ان کی تفصیل کو اپنا حصہ سمجھتے ہیں اس لئے ہم بھی اُن کے حدود عمل میں قدم رکھنا پسند نہیں کرتے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ زکوٰۃ کی غرض یہ ہے کہ اغنیار کی دولت سے فقرار کو مدد پہنچے اور یہ ایک تمدنی مسئلہ ہے۔ اسی طرح حج کا مقصد یہ ہے کہ دنیا کے ہر حصے کے اہل اسلام میدانِ عرفات میں آکر جمع ہوں۔ اللہ کے نام کی بڑائی کریں اور باہمی تعارف، تبادلۂ خیالات اور ایک دوسرے کی امداد کے ذرائع سوچیں۔ یہ بھی ایک اجتماعی امر ہے۔ بہر صورت ہم ان دونوں کو چھوڑ کر دیگر امور کو مختصراً لکھتے ہیں۔

اخوت اور مساوات

قرآن نے کل مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی قرار دیا اور ان تمام رکاوٹوں اور بندشوں کو جو بنی نوع انسان نے نسبتی شرافت کی بنیاد پر باہمی مساوات میں ڈال رکھی تھیں اُٹھا دیا۔ سورہ حجرات میں ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ ط — مسلمان تو بس آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

ہر قسم کے نسبتی فخر اور خاندانی شرافت کے دعوے کو مٹا کر بزرگی کا ذریعہ صرف تقویٰ کو قرار دیا۔ چنانچہ اس کے آگے ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ط

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمھارے قبیلے اور کنبے والے بنا دئے تاکہ آپس میں پہچان رکھو حقیقت یہ ہے کہ تم میں سب سے زیادہ بزرگ اللہ کے نزدیک وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

یعنی قبیلہ اور خاندان محض پہچاننے کے لئے ہے۔ فضیلت کا مدار تقویٰ پر ہے۔

فتح مکہ کے خطبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ وَلَا عَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ النَّاسُ كُلُّهُمْ مِنْ آدَمَ وَآدَمُ مِنَ التُّرَابِ ط

نہ عربی کو عجمی پر فضیلت ہے نہ عجمی کو عربی پر سارے آدمی آدمؑ کی نسل سے ہیں اور آدمؑ مٹی سے بنے تھے۔

احترام حقوق

قرآن نے تمام مسلمانوں کے حقوق برابر کر دیے اور ایک کی جان و مال دوسرے پر حرام فرمائی۔ سورہ نساء میں ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً ط

کسی مسلمان کو روا نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو قتل کرے مگر بھول چوک سے

اس کے بعد قتل عمد کی وعید ہے:

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ط

جو کوئی قصداً کسی مومن کو قتل کرے گا اس کا بدلہ جہنم ہوگا ہمیشہ اس میں رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب ہوگا اور اس کی لعنت ہوگی اس کے لئے اللہ نے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

سورہ حجرات میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَى أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِنْ نِسَاءٍ عَسَى أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ ط بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ ط وَمَنْ لَمْ

اے مومنو! کوئی قوم کسی پر نہ ہنسے۔ ممکن ہے کہ وہی اس سے اللہ کے نزدیک بہتر ہو اور نہ عورتیں عورتوں پر ممکن ہے کہ وہی بہتر ہوں۔ آپس میں ایک دوسرے کو طعنے نہ دو۔ نہ برے القاب سے پکارو ایمان لانے کے بعد بد تہذیبی کا نام برا ہے اور جو اس سے

يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ط
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا
مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ
وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ
بَعْضًا ط اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ
لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا ط

باز نہ آئیں گے وہ ظالم ہیں۔ اے مومنو اکثر گمان سے پرہیز کرو۔ کیونکہ بعض گمان گناہ ہیں۔ جاسوسی میں نہ پڑو۔ نہ ایک دوسرے کی غیبت کرو۔ کیا تم میں سے کوئی پسند کرے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔

فریضۂ ملیہ

اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کا مددگار اور پشت پناہ بنایا اور ان کا فرض یہ قرار دیا کہ تمام اقوام عالم کلمہ حق کریں نیکی پھیلائیں اور برائی کو مٹائیں۔ اسی بناء پر ان کو خیر اُمّت کا لقب دیا اور فرمایا:-

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ
تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ
الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ط

تم بہترین اُمّت ہو جو انسانوں کی رہنمائی کے لئے بنائی گئی۔ اچھی باتوں کا حکم دیتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو

دنیا میں اُن کے لئے وعدہ کیا:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ
فِي الْاَرْضِ ط

جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے اُن سے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ ان کو زمین کی بادشاہت عطا کرے گا

اور آخرت کے لئے یہ وعدہ فرمایا:-

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط

مسلمان مردوں اور عورتوں سے اللہ نے جنت کا وعدہ کیا ہے جس کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

جو لوگ اس فرض کو ادا نہ کریں ان کو عذاب کا مستوجب قرار دیا۔

قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ط

کہدے کہ اگر تمھارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیوی اور کنبہ والے اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور وہ گھر جو تم کو پسند ہیں اللہ اور اس کے رسول اور جہاد فی سبیل اللہ سے تم کو بڑھ کر عزیز ہیں تو ٹھہرو کہ اللہ کا حکم آئے۔ اور اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

معاشرت خانگی

نظام زندگی کی اصل بنیاد میاں بیوی کے خوش گوار تعلقات پر ہے اللہ تعالیٰ نے عقد نکاح کو پیمان مستحکم فرمایا ہے اور اپنے اس احسان کا اظہار کیاہے کہ ہم نے زوجین میں باہم مہر و الفت پیدا کی اور مردوں کو عورتوں کا اور عورتوں کو مردوں کا لباس بنایا یعنی دونوں ایک دوسرے کے پردۂ عصمت کے محافظ ہیں۔

جن عورتوں سے نکاح حرام ہے، سورۂ نساء میں ان کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا۔ نیز سورۂ بقرہ میں مشرکوں سے اور سورۂ نور میں زناکاروں سے خواہ مرد ہوں یا عورت نکاح کی ممانعت کی، سورۂ مائدہ میں مسلمان مردوں کے لئے کتابیہ عورت کے ساتھ نکاح مباح کر دیا۔ نیز ان کو ایک ساتھ چار بیبیوں تک اجازت دی بشرطیکہ ان میں عدل کر سکیں اور اگر خوف ہو کہ نہیں کر سکیں گے تو ایک ہی پر اکتفا کریں۔

مرد کے اوپر عورت کے لئے مہر بھی فرض کیا اور اس کی کوئی خاص حد نہیں معین

فرمائی۔ گھر کا سردار اگرچہ مرد کو قرار دیا۔ لیکن حقوق میاں بیوی کے مساوی رکھے۔ مرد کو عورتوں کے ساتھ نرمی اور مہربانی کا برتاؤ کرنے کی تاکید فرمائی۔

زوجین کے اختلافِ طبائع کی صورت میں عقدِ نکاح کو قائم رکھنے کے لئے جتنی تدبیریں ممکن ہیں وہ قرآن میں بتلائیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ شوہر کا دل بیوی کو ناپسند کرتا ہو اس کی بابت فرمایا کہ:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ط

اور بیویوں کے ساتھ حسن سلوک سے رہو۔ اگر تم ان کو ناپسند کرو تو کچھ بعید نہیں کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ تعالےٰ اسی میں خیر و برکت دیدے۔

اگر بیوی نافرمانی کرے تو اس کے بارے میں مرد کو حکم دیا کہ:

وَالّٰتِىْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِى الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ط

تم کو جن بیویوں سے نافرمانی کا اندیشہ ہو ان کو سمجھاؤ، ان کے ساتھ ہم بستری ترک کردو، اور ان کو مارو، اگر وہ مان جائیں تو ان پر زیادتی نہ کرو۔

اگر شوہر کے بس سے معاملہ آگے بڑھ گیا ہو اور دونوں میں باہم نزاع پڑ گئی ہو تو اس کے رفع کرنے کی یہ صورت بتائی:

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ط اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ط

اگر تم کو باہمی مخالفت کا ڈر ہو تو ایک پنچ شوہر کے کنبے کا اور ایک پنچ بیوی کے کنبے کا مقرر کرو۔ اگر وہ اصلاح کا ارادہ کریں گے تو اللہ دونوں میں موافقت کر دے گا۔

اگر معاملہ پنچوں کے بھی قابو سے باہر نکل گیا ہو تو اس وقت زندگی کو تلخی سے بچانے کے لئے مجبوراً جدائی کا اختیار دیا:

وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ

اگر دونوں جدا ہو جائیں گے تو اللہ دونوں کو

سَعَتِہٖ ط — اپنے خزانۂ غیب سے بے نیاز کردے گا۔

مفارقت کے لئے بھی دو شاہد عادل ہونے چاہئیں:

وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ ط — اور اپنے میں سے دو معتبر شخصوں کو گواہ بنالو

زوجین کی مفارقت کے لئے بھی قرآن نے ایک خاص نظام مقرر کیا ہے وہ یہ ہے کہ طلاق کے بعد ایک مدتِ معینہ تک جس کو عدت کہتے ہیں بیوی کو شوہر کے گھر میں رہنا پڑتا ہے۔ اس مدت میں بھی اگر مصالحت ہو جائے تو شوہر کو رجعت کرنے کا حق حاصل ہے۔ نیز عدت گذر جانے کے بعد بھی اس سے نکاح کر سکتا ہے۔ اس نکاح ثانی کے بعد اگر دوبارہ نزاع رفع ہو گئی اور معاملہ طلاق تک پہنچ گیا تو پھر بھی عدت میں یا رجعت اور بعد عدت کے نکاح کا حق حاصل رہتا ہے۔

لیکن جب تیسری بار طلاق تک نوبت پہنچ گئی تو معلوم ہو گیا کہ طبیعتوں میں باہم نفرت اس قدر ہے کہ ایک ساتھ معاشرت ناممکن ہے۔

اس لئے تیسری بار طلاقِ بائنہ ہو جاتی ہے۔ جس کے بعد نہ عدت میں رجعت کا اختیار رہتا ہے نہ بعد عدت کے نکاح کا۔ تا وقتیکہ وہ کسی دوسرے مرد سے شادی نہ کرلے اسی کے ساتھ یہ بھی تاکید ہے کہ بیوی کو جو کچھ تم نے دیا تھا طلاق کے بعد اس کو واپس نہ لو بلکہ اپنے پاس سے کچھ اور ساز و سامان دے کر اس کو رخصت کرو۔

وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ط — اور جن عورتوں کو طلاق دی جائے دستور کے موافق ان کو سامان دینا چاہئے۔ پرہیزگاروں پر یہ ایک حق ہے

الغرض معاشرت زوجین کے متعلق کوئی دقیقہ اہتمام کا کتاب اللہ نے اٹھا نہیں رکھا۔

وراثت

وراثت کا ایک مکمل اور مفصل نظام سورۂ نسآء میں نازل فرمایا۔ عرب میں عورتیں ترکہ نہیں پاتی تھیں۔ ان کو بھی میراث میں حقوق دیئے اور بیشتر حالتوں میں مردوں

سے نصف حصّہ ان کا رکھا۔

اسی سورۃ میں نابالغ یتیموں کی پرورش اور اُن کے مال کے انتظام کے متعلق آیتیں نازل فرمائیں اور وہ مدت بھی معیّن کی جس وقت اُن کی ملکیت ان کے ہاتھ میں سپرد کی جائے۔

معاملات

اللہ تعالےٰ نے معاملات کے بنیادی اصول جابجا قرآن میں بیان کئے۔

(۱) پابندیٔ قول وعہد ہر ایک قسم کے دینی اور دنیاوی کاموں میں اُن کا حکم عام دیا

(۲) باہمی رضامندی سے جو تجارت ہو اس کا نفع حلال فرمایا اور لوگوں کے مال کو ناجائز طریق سے خورد برد کرنے کی ممانعت کی۔

(۳) سورۂ بقرہ میں سود کو نہایت سختی کے ساتھ ممنوع کیا اور سود خواروں کی مثال سخت ترین الفاظ میں بیان کی۔

(۴) قرآن مجید کی سب سے بڑی آیت میں جو سورۂ بقر کے آخر میں ہے معاملے کی صورت سکھائی اور تاکیدی حکم دیا کہ قرض خواہ کم ہو یا زیادہ لکھ لیا جایا کرے اس پر شہادت بھی ہو۔ ہاں دست بدست خرید و۔ فروخت میں لکھنا ضروری نہیں ہے عدم کتابت کی صورت میں رہن بھی بطور وثیقہ کے جائز رکھی۔

شہادت کے چھپانے کو گناہ قرار دیا اور یہ بھی حکم دیا کہ کاتب اور گواہ کو ضرر نہ پہنچایا جائے۔

آداب

(۱) سورۂ نور میں حکم دیا کہ جب تم اپنے گھر کے سوا کسی دوسرے کے گھر میں داخل ہونا چاہو تو پہلے اجازت طلب کرو۔ نیز تمھاری تنہائی کے اوقات میں غلام کنیزیں اور بچے بھی بلا اجازت اندر نہ آئیں۔

(۲) عورتوں کو حکم دیا کہ وہ اپنی غیر ظاہری زینت کا اظہار ان لوگوں کے سامنے نہ کریں جو محرم نہ ہوں اور اپنی چادر کے نیچے چھپائے رکھیں۔

(۳) جو تم کو سلام کرے تم اس کو اسی طرح یا اس سے بہتر طریقہ سے جواب دو۔

قصاص

زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ کسی مقتول کے بدلے میں قاتل کے قبیلے کے جس آدمی کو پا جاتے تھے قتل کر دیتے تھے۔ قرآن نے اس رسم کو مٹایا۔ اس نے بعینہٖ قاتل سے قصاص لینے کا حکم دیا۔ اور اس حد سے آگے بڑھنے کو روک دیا نیز مقتول کے ولی کو معافی کے حکم سے بھی محروم نہیں فرمایا۔

حدود

تین جرموں کی سزائیں متعین کر دیں اور بقیہ دیگر جرائم کو حکومت کے اختیار تمیزی پر چھوڑ دیا۔

(۱) چور کے لئے ہاتھ کاٹنا اور باغی اور ڈاکو کے لئے ہاتھ اور پاؤں دونوں اگر ان کے جرائم زیادہ سنگین ہوں تو امام کو یہ بھی اختیار ہے کہ قتل کر دے یا سولی پر چڑھا دے یا ملک سے نکال دے۔

(۲) زناکار کے لئے خواہ مرد ہو یا عورت سو کوڑے۔ بشرطیکہ چار چشم دید گواہ ہوں۔

(۳) زنا کی تہمت لگانے کے لئے اسی کوڑے۔

ہم نے ضمنی طور پر یہ تعلیمات قرآن سے اخذ کر کے لکھ دی ہیں۔ ورنہ تفصیل سے نظر ڈالی جائے تو کتاب اللہ زندگی کے ہر شعبہ میں بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لئے کافی ہے۔

صفات و اخلاق نبویؐ

باوجود سخت مخالفتوں اور زبردست رکاوٹوں کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوششوں کے کامیاب ہونے کا بڑا سبب دراصل آپ کا وہ جمال صورت اور کمال خلق تھا جو آج تک دنیا میں کسی کو نصیب نہ ہو سکا۔ بہت سے لوگ صرف شکل دیکھ کر مسلمان ہو جاتے تھے اور آپ کے دعوے کے صدق پر کسی دلیل کی حاجت نہیں سمجھتے تھے۔

حضرت خدیجہؓ سے ابتدا میں جس وقت آپ نے غار حرا کے واقعہ کا ذکر فرمایا تو انھوں نے کہا کہ اللہ تعالےٰ آپ کو ہرگز خوار نہ کرے گا اس لئے کہ آپ دوسروں کا بوجھ اُٹھاتے، مسکینوں پر بخشش فرماتے اور مُصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں۔

اللہ تعالےٰ آں حضرتؐ کو مخاطب کرکے فرماتا ہے:

لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ط — اگر تم سخت مزاج اور سنگ دل ہوتے تو لوگ تمھارے پاس سے الگ تھلگ ہو جاتے۔

ہم مختصراً آں حضرتؐ کے صفات اور اخلاق کا ذکر کرتے ہیں۔

نظافتِ جسم

آپ صفائی اور پاکیزگی کا ہمیشہ خیال رکھتے اور عطریات کو بہت پسند فرماتے تھے۔ حدیث میں ہے کہ "دین کا مدار پاکیزگی پر ہے۔" آپ کی جسمانی پاکیزگی کا یہ عالم تھا کہ جس راستے سے گذر جاتے وہ راستہ معطر ہو جاتا اور جو شخص آپ سے مصافحہ کر لیتا اُس کے ہاتھ دن بھر خوشبودار رہتے۔

حسن صورت ..... قدرت نے ایسا عطا کیا تھا کہ بعض صحابہ بیان کرتے ہیں کہ گرمی کے موسم میں نخلستان میں کام کرتے کرتے جب ہم ماندہ ہو جاتے تو مسجد میں آکر دور سے ایک نظر جمال مبارک پر ڈال لیتے اور پھر تازہ دم ہو جاتے۔

فصاحت و بلاغت

تمام قبائل عرب کی زبانیں جانتے تھے۔ ہر قبیلے کے لوگوں سے انھیں کی زبان میں خطاب فرماتے تھے۔ جو فقرہ منہ سے نکلتا تھا وہ ایسا جامع اور پرمغز ہوتا تھا کہ ملک بھر میں مشہور ہو جاتا تھا۔ بہت سے علماء نے آپ کے جوامع کلم یعنی اس قسم کے پر معنی جملے کتابوں میں جمع کئے ہیں۔

آپ کا یہ دعویٰ تھا کہ میں سب سے بڑھ کر فصیح ہوں اور اس دعوے کو لوگوں نے تسلیم کیا تھا سحبان وائل اور قس بن ساعدہ وغیرہ جو عرب کے مشہور خطیب اور زباں آور مقرر گزرے تھے ان کے سارے کارنامے آپ کی بلاغت کے سامنے فنا ہو گئے۔

حلم

آں حضرتؐ کو عرش سے بار بار تاکید ہوتی رہتی تھی کہ تم اسی طرح صبر کرو جس طرح اولوالعزم پیغمبروں نے کیا۔ چنانچہ آپ کے پائے ثبات کو صبر کے میدان میں کبھی لغزش نہیں ہوئی، جو لوگ قرابت توڑتے آپ اُن سے رشتے جوڑتے۔ جو دشمنی پر کمر باندھتے ان کے ساتھ احسان سے پیش آتے اور جو سختیاں کرتے اُن سے درگذر فرماتے تھے۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آں حضرتؐ نے کبھی کسی سے اپنی ذات کے بارے میں بدلہ نہیں لیا، ہاں! کوئی دین کی ہتک حرمت کرتا تو اس کو سزا دیتے۔ جنگ احد میں جب زخم لگا اور روئے مبارک سے خون بہنے لگا تو لوگوں نے

کہا کہ ان کافروں پر حضرت نوح علیہ السلام کی طرح بد دعا فرمائیے۔ جواب دیا کہ میں لعنت کرنے کے لئے نہیں آیا ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رحمت بنا کر بھیجا ہے اس کے بعد دعا کی کہ اے اللہ! میری قوم جانتی نہیں ہے اس کو ہدایت دے۔

منافقوں سے رات دن آزار اور تلخی سہتے تھے لیکن کبھی انتقام کے درپے نہیں ہوئے بلکہ ہمیشہ اُن کے ساتھ سلوک اور مہربانی سے پیش آئے۔ قریش نے کیا کچھ اذیتیں نہیں پہنچائی تھیں۔ سب آپ نے برداشت کیں اور جب اُن پر قابو پا لیا تو یک قلم ان کو معافی عطا کر دی۔

آپ کو غصہ بہت دیر میں آتا تھا اور راضی جلد ہو جاتے تھے۔

کرم

آپ کبھی کسی سائل کو محروم نہیں فرماتے تھے۔ حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ سخی تھے۔ خاص کر ماہ رمضان میں آپ کی سخاوت بہت بڑھ جاتی تھی۔ نبوت کے قبل ہی سے اس وصف میں ممتاز تھے۔ ایک بار ایک شخص کو اپنی بکریوں کا پورا گلہ بخش دیا۔ کئی آدمیوں کو سَو سَو اونٹ سے زیادہ دے دئے اور بعد نبوت کے تو مال کو اپنے گھر میں رکھنا پسند نہیں کرتے تھے جو کچھ آتا تھا شام تک ختم کر دیتے تھے۔ ایک بار تو نے ہزار درہم آئے چٹائی پر رکھے گئے جو سائل آتا اس کو عطا فرماتے۔ یہاں تک کہ سب ختم ہو گیا۔ پھر ایک شخص آیا۔ فرمایا کہ اب میرے پاس کچھ نہیں رہا لیکن تم میرے نام سے قرض لے لو میں ادا کر دوں گا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اللہ تعالےٰ نے مقدرت سے زیادہ تکلیف نہیں دی ہے۔ آپ نے اس بات کو پسند نہیں کیا۔ اس پر ایک انصاری نے کہا کہ یا رسول اللہؐ آپ خرچ کیجئے اللہ کی مہربانی ہے تو کس چیز کی کمی ہے

یہ سُن کر خوش ہو گئے اور فرمایا کہ ہاں مجھے ایسا ہی حکم دیا گیا ہے۔

شجاعت

آں حضرتؐ کی شجاعت مسلّم تھی، سخت لڑائیوں میں جہاں سے بڑے بڑے بہادر بھاگ نکلے آپ ہمیشہ ثابت قدم رہے۔ شاہِ مرداں حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ جب معرکہ سخت ہوتا تھا تو ہم لوگ آں حضرتؐ کے پیچھے جا کر پناہ لیتے تھے۔ دشمنوں سے زیادہ قریب آپ ہی ہوتے تھے۔

مدینے میں ایک رات خوف چھایا ہوا تھا اور خیال تھا کہ غسانی بادشاہ آ گیا لوگ گھبرا اُٹھے۔ آں حضرتؐ نے خود جلدی میں گھوڑے کی برہنہ پشت پر سوار ہو کر شہر کا چکر لگایا اور آ کر اطمینان دلایا کہ کوئی خطرہ نہیں۔

حیا

حضرت ابو سعید نے کہا کہ آپ کی حیا کا یہ عالم تھا کہ کسی سے کبھی کوئی ایسی بات نہیں فرماتے تھے جو اس کو ناپسند ہو جب کوئی امر خلافِ مزاج ہو جاتا تو ہم لوگ چہرہ دیکھ کر سمجھ جاتے تھے۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جب کسی کی طرف سے کوئی ناپسندیدہ بات آپ تک پہنچتی تھی تو نام لے کر کچھ نہیں کہتے تھے بلکہ یوں فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اس قسم کی باتیں کرتے یا کہتے ہیں۔

کبھی کسی کی طرف تیز نگاہ سے نہیں دیکھا۔ آنکھیں ہمیشہ نیچی رکھتے تھے، اور جب ہنسی آتی تھی تو مسکراہٹ سے آگے نہیں بڑھتی تھی۔

حسنِ معاشرت

ہر چھوٹے بڑے کے ساتھ آپ کا برتاؤ اس محبت کے ساتھ تھا کہ سب لوگ آپ کو اپنے شفیق باپ سے بڑھ کر سمجھتے تھے جو شخص آپ کے پاس آتا اس کی تعظیم

کرتے اور جب تک وہ اُٹھنے کی خواہش نہ کرتا خود نہ گھبراتے۔ اکثر اپنا کمبل اور گدا اس کے لئے بچھا دیتے تھے جو ملتا سلام اور مصافحہ میں اس سے پیش دستی کرتے اور جب کسی کو پکارتے تو اس کا وہ نام لیتے جو عزیز ترین ہوتا کسی کی بات کو جب تک وہ ختم نہ کرے۔ نہیں کاٹتے تھے۔ نماز پڑھتے میں اگر کوئی اہل حاجت آجاتا تو اس کے خیال سے نماز کو ہلکی کر دیتے۔ نزول قرآن اور خطبہ کے علاوہ تمام حالتوں میں بشاش اور مسکراتے ہوئے رہتے آپ کی محفل میں عیب جوئی یا بیہودہ مدح یا بدگوئی مطلق نہیں ہو سکتی تھی۔

ہر شخص کی عزت کا خیال رکھتے تھے یہاں تک کہ صحابہ میں سے ہر ایک یہ سمجھتا تھا کہ آپ مجھ سے زیادہ کسی کو نہیں چاہتے۔ کوئی شخص آپ کی ذات سے مایوس نہیں ہوتا تھا۔ ہدیہ دینے والوں کا ہدیہ قبول فرما لیتے اور اس کے عوض میں خود بھی اس کو تحفے بھیجتے، لونڈی، غلام، مسکین، اور محتاج تک کی دعوتیں منظور کر لیتے۔ جب کوئی بیمار ہوتا تو اس کی عیادت کے لئے ضرور تشریف لے جاتے جو کوئی کسی قسم کا احسان کرتا اس کا بدلہ اُس سے زیادہ دیتے۔ شرفا ر قبائل کی عزت اُن کے درجے کے مطابق کرتے۔

باوجود اس شفقت و ترحم اور مہربانی کے لوگوں کے دلوں میں آپ کی ہیبت اس قدر تھی کہ کوئی شخص نظر اُٹھا کر روئے مبارک کو دیکھ نہیں سکتا تھا اور اس رُعب و جلال کے ساتھ بھی آپ کی محفل مرغوب ترین تھی اور دلوں کے لئے باعثِ تسلی تھی۔

رافت و رحمت

آپ کی ذات نہ صرف اپنے اصحاب اور اُمت بلکہ دنیا والوں کے لئے رحمت تھی بدخواہوں اور دشمنوں کے ساتھ بھی آپ مہربانی سے پیش آتے تھے اللہ تعالے نے

آپ کو رؤف اور رحیم کا خطاب دیا ہے اور رحمۃ اللعالمین فرمایا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک بار مدینہ میں مجھ پر کئی فاقے گذر گئے سوال کی ہمت نہیں پڑتی تھی اس لئے اپنے گھر سے باہر نکل کر گذر گاہ میں بیٹھا کہ شاید کوئی راہ گیر دیکھ کر خود بخود میری حالت سمجھ جائے اور کچھ کھلا دے۔

اتفاقاً حضرت ابوبکرؓ گذرے مگر سلام وجواب کے بعد آگے بڑھ گئے میں نے جب یہ دیکھا کہ تو اُن کو بلا کر ایک آیت کے معنی پوچھے۔ مطلب صرف یہ تھا کہ وہ اس گفتگو میں میری حالت کا اندازہ کرلیں ورنہ اس آیت کے معنی میں خود اچھی طرح جانتا تھا اُنھوں نے مطلب بیان کر دیا اور کوئی توجہ کئے بغیر جدھر جاتے تھے چلے گئے۔

پھر حضرت عمرؓ نکلے، اُن کے ساتھ بھی یہی صورت پیش آئی اور وہ بھی کیفیت کو نہ سمجھ سکے۔

تھوڑی دیر کے بعد رحمت عالم کا اُدھر سے گذر ہوا، دور ہی سے مجھے دیکھ کر مسکرائے۔ قریب آکر ہاتھ پکڑ لیا اور اپنے گھر تک ساتھ لے گئے۔ ازواج مطہرات سے دریافت فرمایا کہ کھانے کی کوئی چیز ہے؟ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ کچھ نہیں ہے صرف ایک پیالہ دودھ ہے جو فلاں شخص کے یہاں سے ہدیۃً آیا ہے۔ فرمایا کہ بھیج دو۔ جب وہ آیا تو میری طرف بڑھایا۔ میں نے کہا جب تک حضور نہ نوش فرمالیں میں نہیں پیوں گا۔ آپ نے چند گھونٹ پی لئے پھر مجھے عطا کیا۔

ہمیشہ اپنے اصحاب کو تاکید فرمایا کرتے تھے کہ کوئی کسی کی شکایت مجھ تک نہ لائے تاکہ میں اطمینان قلب کے ساتھ سب سے ملوں اور کسی کی طرف سے کوئی خدشہ اور کدورت میرے دل میں نہ ہو۔

کیسی ہی خطا ہو کوئی کسی قسم کی معذرت کرتا اس کو قبول فرمالیتے۔

وفاءِ عہد

آپ نے فرمایا ہے کہ جو عہد کا پابند نہیں وہ بے دین ہے ابتدا سے آپ کا شیوہ وفاءِ عہد تھا جو وعدہ یا پیمان کر لیتے اس کو پورا کرتے اور کبھی بھولتے نہیں تھے دوست یا دشمن کسی سے جو عہد کر لیا اُس کو ضرور پورا کیا۔

پاسِ مروّت

جس شخص سے ذرا سا بھی تعلق ہوتا اس کا خیال رکھتے حُنین کے قیدیوں میں حلیمہ دائی کی بیٹی شیماء گرفتار ہو کر آئی تھیں۔ جب آپ کو اطلاع ہوئی تو اُن کو بلایا اپنی چادر بچھا کر ان کو بٹھایا اور دیر تک گفتگو فرماتے رہے پھر بہت سے تحفے دے کر احترام کے ساتھ رخصت کیا۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ اکثر گھر میں جب کوئی اچھی چیز آتی تو حکم دیتے کہ اس کو لے جا کر فلاں عورت کو دے آؤ، کیونکہ خدیجہؓ اس کو عزیز رکھتی تھیں۔

ثوبیہ ابولہب کی لونڈی تھیں۔ اُنھوں نے بھی چند روز آں حضرتؐ کو دودھ پلایا تھا، اُن کے لئے ہر سال انعام اور جوڑا بھیجتے تھے جب وہ انتقال کر گئیں تو دریافت فرمایا کہ کوئی ان کا وارث ہے۔ معلوم ہوا کہ نہیں ہے۔

نجاشی کے یہاں سے جب وفد آیا تو بذاتِ خود اہلِ وفد کی خدمت میں مصروف ہوئے۔ صحابہ نے کہا کہ یا رسول اللہ ہم تو موجود ہیں فرمایا کہ ان لوگوں نے میرے مصیبت زدہ اصحاب کو راحت پہنچائی اور ان کو عزت کے ساتھ رکھا اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس احسان کے عوض میں ان کی خدمت خود کروں۔

تواضع

تواضع کی کیفیت یہ تھی کہ فقراء اور مساکین کے ساتھ بیٹھتے ان کی بیمار پرسی کے لئے جاتے جب کوئی تعظیم کے لئے کھڑا ہوتا تو فرماتے کہ اہلِ عجم کی طرح تعظیم کے

لئے کھڑا نہ ہوا کرو۔ صحابہ میں ایسے مل جل کر بیٹھتے کہ اجنبی شخص امتیاز نہیں کر سکتا تھا کہ اُن میں کون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

حجۃ الوداع کے سفر میں آپ کے اونٹ پر ٹوٹا ہوا کجاوا تھا جس پر ایک پرانی چادر پڑی ہوئی تھی حالانکہ اسی حج میں سو اونٹوں کی قربانی فرمائی۔

اسی تواضع کا اثر تھا کہ صحابہ کو منع فرمایا کہ مجھے یونس ؑ پر فضیلت نہ دو اور نہ موسیٰ علیہ السلام سے بڑھاؤ۔

ایک بار ایک شخص آپ کے سامنے آیا رعب و جلال کی وجہ سے کانپنے لگا اس کی تسلی کے لئے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں میں بادشاہ نہیں ہوں بلکہ قریش کی ایک عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی۔

راستی

آپ کے عدل وانصاف اور امانت ودیانت کے دشمن سے دشمن بھی قائل تھے۔ چنانچہ نبوت سے پہلے ہی امین کے لقب سے مشہور تھے اور اس وقت بھی لوگ آپ کی خدمت میں آکر اپنے جھگڑے فیصل کراتے تھے۔ آپ کی راست گوئی سے ابوجہل جیسے سخت دشمن کو بھی انکار نہ تھا۔

جب **ابوسفیان** سے جو فتح مکہ تک اسلام کے سب سے بڑے دشمن تھے ہرقل نے بیت المقدس میں یہ سوال کیا۔ کیا اس شخص (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس کے اس دعوے سے قبل تم جھوٹا سمجھتے تھے۔ تو ان کو یہی جواب دینا پڑا کہ نہیں۔

وقار

خارجہ بن یزید نے کہا کہ آں حضرت ؐ محفل میں ہمیشہ باوقار رہتے۔ بلا ضرورت کبھی کوئی بات نہ فرماتے۔ اگر کوئی ناپسندیدہ گفتگو کرتا تو رُخ پھیر لیتے۔ آپ کی

محفل میں کسی کی ہتک یا بلند آواز سے گفتگو نہیں ہو سکتی تھی۔ حاضرین اس طرح سر جھکائے رہتے کہ گویا اُن کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔ کسی کی شکایت سننی مکروہ سمجھتے تھے۔ اگر کوئی کرتا بھی تھا تو اس کا اثر مطلق نہیں ہوتا تھا۔

الغرض نبی صلی اللہ علیہ وسلم اوصاف اور اخلاق فاضلہ میں وہ رتبہ رکھتے تھے جو آج تک دنیا کے کسی بڑے سے بڑے نبی کو بھی نصیب نہ ہو سکا۔

قرآن پاک میں اللہ تعالےٰ خود آپ کی مدح میں فرماتا ہے۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ط — اور بے شک تو خلق کے بہت بڑے درجے پر ہے۔

کسی انسان کی یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ آپؐ کے اس خلقِ عظیم کی پوری کیفیت بیان کر سکے۔ ہم نے صرف نصیحت حاصل کرنے کی غرض سے چند باتیں اخذ کر کے لکھدی ہیں۔

آپؐ کے ان صفاتِ کمال کا یہ اثر ہوا کہ ہر قسم کی دشمنی اور عداوت کرنے کے بعد آخرکار اہل عرب آپؐ کی طرف جھکے اور اس دین کو جس کے مقابلے کے لئے اُٹھا نے کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی تھی قبول کر لیا۔

اگر وہ معجزات جو آسمانی تائید سے آپؐ سے ظاہر ہوئے نہ بھی ہوتے تو بھی یہ آپؐ کا خلقِ عظیم آپؐ کے دعوے کے صدق کی بین دلیل تھا۔

بیت نبویؐ

مکہ میں آں حضرتؐ نے نبوت سے قبل ۲۵ سال کی عمر میں حضرت خدیجہؓ سے نکاح کیا تھا۔ جب تک وہ زندہ رہیں اس وقت تک کوئی دوسری شادی نہیں کی ان کا انتقال ہجرت سے تین برس پہلے ہوا جبکہ آپ کی عمر پچاس سال کی تھی سوائے ابراہیمؓ کے جو ماریہ قبطیہ کے شکم سے پیدا ہوئے، باقی آپؐ کی تمام

اولاد حضرت خدیجہؓ سے تھی۔

سب سے پہلے **قاسم**ؓ پیدا ہوئے جو چار سال کی عمر میں مکہ میں انتقال کر گئے انھیں کے نام سے آپ کی کنیت ابو القاسم ہوئی۔ ان کے بعد زینبؓ پھر **عبد اللہ**ؓ جن کا لقب طیب و طاہر تھا۔ یہ بھی دو سال کی عمر میں گذر گئے۔ پھر رقیہؓ اس کے بعد ام **کلثوم** اور پھر **فاطمہ زہراؓ** پیدا ہوئیں۔

زینبؓ کا نکاح ہجرت سے پہلے ان کے خالہ زاد بھائی **ابو العاص** کے ساتھ ہوا۔ وہ برابر اپنے آبائی دین پر قائم رہے۔ جنگ بدر میں جب گرفتار ہو کر آئے تو زینبؓ نے مکہ سے فدیہ بھیجا جس میں حضرت خدیجہؓ کا دیا ہوا ہار تھا وہ آں حضرتؐ کی سفارش سے واپس کیا گیا اور ابو العاص بلا فدیہ کے چھوڑ دئے گئے۔ لیکن ان سے یہ عہد لیا گیا کہ مکہ واپس جا کر زینبؓ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دیدیں گے۔ چنانچہ انھوں نے جا کر زینبؓ کو مدینہ بھیج دیا۔

فتح مکہ کے قبل وہ شام میں تجارت کرنے کے لئے گئے وہاں سے واپس آکر جو اموال ان کے پاس بطور امانت کے رکھے ہوئے تھے۔ ان کو اُن کے مالکوں کو حوالہ کر کے مدینہ میں آکر مسلمان ہو گئے۔ مورخوں کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے عقد کو قائم رکھا اور بلا نکاح جدید کے زینبؓ کو ان کے یہاں رخصت کر دیا۔

رقیہ اور ام کلثوم یکے بعد دیگرے حضرت عثمانؓ کے نکاح میں آئیں اور فاطمہؓ کے ساتھ حضرت علیؓ کا نکاح ہوا۔ ان میں سے سوائے حضرت فاطمہؓ کے کسی کی نسل نہیں چلی۔ ان کے چار بچے ہوئے۔ **حسنؓ حسینؓ۔ زینبؓ ام کلثومؓ**

حضرت خدیجہؓ کی وفات کی بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد نکاح کئے، بظاہر اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب میں نکاح کا تعلق قبائل کی ہمدردی

کا ایک بڑا ذریعہ تھا مکہ میں حضرت خدیجہ کا نکاح فائدہ مند ثابت ہوا تھا، اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت سی اذیتوں اور تکلیفوں سے اس کی بدولت محفوظ رہتے تھے۔ چنانچہ مدینے میں آکر قریش اور نیز عرب اور بنی اسرائیل کے بعض قوی ترین قبائل میں آپ نے شادیاں کیں۔

بعض بعض نکاحوں مثلاً حضرت جویریہ، زینب بنت جحش اور صفیہ وغیرہ کے خاص وجوہات تھے۔

علاوہ بریں اس وقت تک نکاح کی کوئی خاص حد معین نہیں کی گئی تھی اور جس وقت تحدید نازل ہوئی کہ چار سے زیادہ بیویاں نہ ہوں۔ اس وقت چونکہ ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم امہات امت قرار پا چکی تھیں اور کسی کے ساتھ ان کا نکاح حلال نہیں تھا، اس لئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصیت کے ساتھ اجازت دی گئی کہ وہ ان بیبوں کو اپنے نکاح میں رکھ سکتے ہیں، اور آئندہ نکاح کرنے کی ممانعت کی گئی۔

ان امہات میں سے دو یعنی حضرت خدیجہؓ اور زینبؓ ام المساکین آپ کی زندگی میں وفات پا گئیں اور نو بیویوں کو چھوڑ کر خود آپ نے انتقال فرمایا۔ ان کی تفصیل یہ ہے:-

(۱) سودہ بنت زمعہ۔ یہ قریش کے قبیلہ بنی عامر سے تھیں۔ بیوہ ہوکر آپ کے نکاح میں آئیں۔ ان کے پہلے شوہر سکران بن عمرو تھے۔

(۲) حضرت عائشہ حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی تھیں۔ آں حضرتؐ کی تمام بیویوں میں صرف یہی ایک ایسی تھیں جو کنواری آپ کے عقد میں آئیں۔

(۳) حضرت حفصہؓ بنت عمر بن خطابؓ یہ پہلے خنیس بن حذافہ کے نکاح میں تھیں بیوہ ہوگئیں تو آں حضرتؐ نے عقد کر لیا۔

(۴) ام سلمہ مخزومی پہلے ابو سلمہ کی زوجیت میں تھیں اُن کے انتقال کے بعد آپ کے نکاح میں آئیں۔

(۵) حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان۔ یہ عبید اللہ بن جحش کی بیوی تھیں ان کے ساتھ حبشہ میں ہجرت کر کے گئیں۔ وہ وہاں وفات پا گئے۔ اس کے بعد نجاشی فرمانروائے حبشہ کی وکالت سے آں حضرتؐ کا نکاح ان کے ساتھ ہو گیا۔

(۶) زینبؓ بنت جحش۔ یہ آں حضرتؐ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ آپ نے ان کا نکاح اپنے متبنّیٰ زید بن حارثہ کے ساتھ کر دیا۔ چونکہ زید غلام تھے اس وجہ سے یہ ان کو حقیر سمجھتی تھیں اور دونوں میں موافقت نہیں رہتی تھی۔ زیدؓ ان کو طلاق دے کر چھٹکارا چاہتے تھے لیکن آپ ان کو تاکید کرتے تھے کہ اللہ سے ڈرو اور طلاق نہ دو۔

عرب میں یہ رواج تھا کہ وہ لوگ متبنّیٰ کی بیوی سے نکاح حرام سمجھتے تھے اسلام میں چونکہ متبنّیٰ کوئی چیز نہیں ہے اس لئے اس رسم کو مٹانا ضروری تھا اور اس کی صورت یہی تھی کہ زید جس وقت طلاق دیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم زینب کے ساتھ اپنا نکاح کریں۔ لیکن آپ عرب میں بدنامی کے خوف سے ڈرتے تھے اس لئے زید کو طلاق کا مشورہ نہیں دیتے تھے۔ اسی وجہ سے کسی قدر عتاب کے ساتھ اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْہِ اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ وَاتَّقِ اللّٰہَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ مَا اللّٰہُ مُبْدِیْہِ وَتَخْشَی النَّاسَ وَاللّٰہُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰہُ ؕ فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْہَا وَطَرًا زَوَّجْنٰکَہَا لِکَیْ لَا یَکُوْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآئِہِمْ

اور یاد کرو جب تم کہہ رہے تھے اس شخص کو جس پر اللہ نے انعام کیا اور تم نے بھی انعام کیا کہ تو اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دے اور اللہ کا خوف کر اور تم اس بات کو دل میں چھپا رہے تھے جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور لوگوں سے تم ڈرتے تھے حالانکہ اللہ ہی اس کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو پھر جب زید نے اس کو چھوڑ دیا تو ہم نے تمہارے ساتھ اس کو بیاہ دیا تاکہ

إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُولًا ط

مسلمانوں کے پالک جب اپنی بیویوں کو چھوڑ دیں تو ان کو ان بیویوں سے نکاح کرنے میں، کوئی حرج نہ ہو اور اللہ کا حکم تو ہو کر ہی رہتا ہے۔

یعنی ان کے درمیان نزاع سخت تھی اور مفارقت ضروری تھی لیکن آں حضرتؐ اپنی بدنامی کے خوف سے روکتے تھے حالانکہ اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہونا چاہیے آخر اللہ تعالے نے اپنے ارادے کو پورا کیا۔ یعنی جب زید نے زینب کو طلاق دی تو آنحضرتؐ سے ان کا نکاح ہوا۔ اس سے عرب کی ایک نامعقول رسم مٹا دی گئی۔

اللہ تعالے نے اس کے بعد خود متبنّےٰ کے قاعدہ کو منہدم کر دیا اور حکم دیا:

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ط

ان کو ان کے باپوں کے نام سے پکارو یہی اللہ کے نزدیک زیادہ درست ہے۔

(۷) جویریہ۔ یہ بنی مصطلق کے سردار حارث کی بیٹی تھیں جنگ میں گرفتار ہو کر آئی تھیں اُن کے نکاح کی بدولت اُن کا تمام قبیلہ آزاد ہو گیا اور ان کے باپ اسلام لائے۔

(۸) میمونہ بن حارث یہ پہلے ابورہم بن عبدالعزےٰ کے عقد میں تھیں۔ بیوہ ہو کر آں حضرتؐ کے نکاح میں آئیں۔

(۹) صفیہ۔ حیی بن اخطب قبیلہ یہود کے سردار کی بیٹی اور کنانہ ابن ابی الحقیق کی بیوی تھیں۔ اس کے قتل کے بعد آں حضرتؐ کے عقد میں آئیں۔

ان ازواج کے علاوہ ماریہ قبطیہ ام ولد تھیں جن کے بطن سے آں حضرتؐ کے فرزند ابراہیم پیدا ہوئے تھے اور بچپن ہی میں مدینے میں انتقال کر گئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج **امہات المؤمنین** کہی جاتی ہیں۔ یہ لقب قرآن میں اُن کو دیا گیا ہے۔

ان ازواج کی زندگی پاک اور مقدس زندگی تھی اور ان کی روایات

سے بہت کچھ خانگی حالات آں حضرت ؐ کے ہم تک پہنچے خاص کر حضرت عائشہ رضؓ کہ وہ عہد
صحابہ میں علم و فضل میں بہت امتیاز رکھتی تھیں۔

وفات

حج وداع سے واپسی کے بعد ماہ صفر ۱۱ھ میں سرور عالم بخار میں مبتلا ہوئے
ازواج سے اجازت لے کر حضرت عائشہ رضؓ کے حجرے میں جو مسجد نبوی سے ملا ہوا تھا آ گئے۔
ایک روز بیماری ہی کے زمانے میں مسجد کے منبر پر بیٹھ کر صحابہ کو آخری تلقین فرمائی اور کہا کہ:

"اے مہاجرین! انصار کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا لوگ بڑھتے جا رہے ہیں اور یہ انصار
اسی حالت میں ہیں۔ یہی لوگ میرے ابتدائی حامی ہیں انھیں کے یہاں میں نے پناہ لی
ان میں سے جو نیک ہو اس کے اوپر احسان کرنا اور جو خطاکار ہو اس سے
درگذر کرنا۔ میرے اہل بیت کی حرمت کا بھی خیال رکھنا اور راہ تقوی پر ثابت قدم رہنا۔

اس زمانے میں حضرت ابوبکر رضؓ کو حکم دیا کہ مسلمانوں کو نماز پڑھاتے رہیں
دوران مرض میں لوگوں کو اکثر وصیتیں اور نصیحتیں فرماتے رہتے تھے اور اس بات کو بار
بار دہراتے تھے کہ یہود اور نصاری کو اللہ تعالے نے اس وجہ سے ملعون کیا کہ ان میں
کوئی بزرگ مر جاتا تھا تو اس کی قبر کو وہ لوگ عبادت گاہ بنا لیتے تھے۔ دیکھو تم میری
قبر کو بت نہ بنانا۔ اور مشرکوں کی طرح اس کی پرستش نہ کرنا۔

مرض کی شدت برابر بڑھتی چلی گئی۔ آخر ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ یوم دوشنبہ مطابق
۸ جون ۶۳۲ء کو شام کے وقت ۶۳ سال قمری اس دنیا میں گزار کر وہ روح اعظم عالم علوی کو راہی ہوئی
آں حضرت ؐ کی ذات قدسی صفات کی عظمت کا اس سے کچھ اندازہ ہو سکتا ہے کہ
حضرت عمر رضؓ جیسے قوی دل اور عالی حوصلہ شخص کو اس بات کا یقین نہیں آتا تھا کہ موت کو
آں حضرت ؐ پر دسترس ہو سکتی ہے۔ چنانچہ وہ تلوار لیے ہوئے بے تابانہ ادھر ادھر
دوڑتے تھے اور کہتے تھے کہ جو شخص یہ کہے گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزر گئے ہیں اس

جان سے مار ڈالوں گا۔

جب حضرت ابوبکر صدیقؓ تشریف لائے تو مسجد میں جہاں مسلمانوں کا مجمع تھا جاکر انھوں نے آپؐ کی وفات کا اعلان کیا۔ اور فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّهُ قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَإِنَّهُ حَيٌّ لَا يَمُوتُ ط

لوگو! جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پرستش کرتا تھا وہ جان لے کہ وہ تو گذر گئے اور جو اللہ کو پوجتا تھا تو اللہ زندہ ہے وہ مرنے والا نہیں۔

اس کے بعد اس آیت کو پڑھا:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشَّاكِرِينَ ط

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہیں ہیں مگر ایک رسول ان سے پہلے بہت سے رسول گزر گئے، کیا اگر وہ مرجائیں تو تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤگے؟ جو کوئی اُلٹے پاؤں پھر جائے گا وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ شکر گذاروں کو اللہ بدلہ دے گا۔

یہ سُن کر حضرت عمرؓ کو آپ کی وفات کا یقین ہوا۔ اس وقت صدمہ کی وجہ سے گر پڑے۔ اس کے بعد صحابہ سقیفہ بنی ساعدہ میں مجتمع ہوئے وہاں حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر لوگوں نے خلافت کی بیعت کی۔

سہ شنبہ کے دن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا گیا۔ تین چادروں کا کفن پہنا کر اسی حجرے میں جس میں انتقال فرمایا تھا، رکھ دئے گئے۔ آپ کی وصیت کے مطابق سب لوگ اسی حجرے میں جاکر نمازِ جنازہ فرداً فرداً پڑھتے تھے۔ چہارشنبہ کی آدھی رات تک یہ سلسلہ ختم ہوا۔ اس کے بعد اسی جگہ دفن ہوئے۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

تصانیف مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری

تاریخ الامت ابتدائے اسلام کی مکمل مستند اور مربوط تاریخ جو نہایت تحقیق کے ساتھ سلیس اور صاف اردو زبان میں لکھی گئی ہے اور بوجہ اپنی خوبیوں کے قومی تعلیمی نصاب میں داخل اور ملک میں مقبول ہو چکی ہے۔

		قیمت
حصہ اول	سیرۃ الرسولؐ	عا/۸
〃 دوم	خلافت راشدہ	عا/۸
〃 سوم	خلافت بنی اُمیہ	عا/
〃 چہارم	خلافت عباسیہ	عا/۸
〃 پنجم (کلاں)	عباسیہ بغداد	عا/۸
〃 پنجم (خورد)	〃 〃	عہ/
〃 ششم	عباسیہ مصر	عا/۸
〃 ہفتم	آل عثمان	عا/
〃 ہشتم	تاریخ اسلام اور قرآن	للعہ/

تاریخ القرآن۔ قرآن مجید کے ابتدائے نزول سے آج تک کے تاریخی حالات اور مفید معلومات۔ — ۸/عہ

سیرۃ عمرو بن عاصؓ۔ نامور صحابی فاتح مصر و طرابلس کے حالات۔ اور مجاہدانہ کارنامے — عہ/

حیات حافظ۔ خواجہ حافظ شیرازی کی دلکش سوانح عمری ان کی شاعری پر بحث اور تاریخی فالیں — عا/

حیات جامی۔ فارسی کے نامور شاعر مولانا عبدالرحمن جامیؒ کے حالات اور ان کی تصانیف پر تبصرہ۔ — ۸/عہ

الوراثۃ فی الاسلام۔ فن وراثت میں مولانا کا بے نظیر مجتہدانہ کارنامہ (بزبان عربی) — ۸/

محجوب الارث مسئلہ ہذا کی ناقابل انکار دلائل سے تردید۔ — ۴/

مکتبہ جامعہ دہلی نئی دہلی۔ لاہور، لکھنؤ، بمبئی ۳

مطبوعہ علیمی پریس، دہلی